قرآن کریم اور سنت نبویہ علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام کی تعلیمات کا علمبردار

بینات

جلد: ۷۴ شمارہ: ۱

محرم الحرام: ۱۴۳۲ھ - جنوری: ۲۰۱۱ء

قیمت فی شمارہ: ۳۰ روپے، زر سالانہ: ۳۰۰ روپے

مدیر / مدیر مسئول

مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر

نائب مدیر

مولانا سید سلیمان یوسف بنوری

ناظم

مولانا فضل حق یوسفی

مجلس ادارت

مولانا محمد اعجاز مصطفیٰ (مدیر معاون)

مولانا عطاء الرحمن صاحب (ناظم تعلیمات)

مفتی رفیق احمد بالاکوٹی

خط و کتابت اور ترسیل زر کا پتہ:

ماہنامہ ''بینات'' پوسٹ بکس نمبر ۳۴۶۵، کراچی ۷۴۸۰۰

جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

فون دفتر بینات: ۳۴۹۲۷۲۳۳

فون جامعہ: ۳۴۹۱۳۵۷۰۔۳۴۱۲۱۱۵۲۔۳۴۱۲۳۳۶۶

ایکسٹینشن: ۱۴۶۔۱۴۷

فیکس: 92-21-4919531

بیرون ملک سے بذریعہ ہوائی ڈاک:

ریاست ہائے متحدہ امریکہ، جنوبی افریقہ، تھائی لینڈ، ناروے، ویسٹ انڈیز وغیرہ: ۳۵ / امریکی ڈالر

سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، مسقط، بحرین، عمان، ایران، انڈیا وغیرہ: ۲۷ / امریکی ڈالر

بنگلہ دیش: ۲۵ / امریکی ڈالر

جامعۃ العلوم الاسلامیۃ

علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن

ناشر: مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر مطبع: ایجوکیشنل پریس کراچی طابع: فیروز ذکی

www.banuri.edu.pk

فہرستِ مضامین

بصائر و عبر

پاکستان میں کیا پوپ بینی ڈکٹ کی حکومت ہے؟	۳	محمد اعجاز مصطفیٰ

مقالات و مضامین

موجودہ حکومت اور اسلامی آئین	۱۰	حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ
دار العلوم دیوبند کا فیض!	۱۵	حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر
عید الاضحیٰ اور غیر ذمہ دارانہ باتیں	۱۹	مفتی رفیق احمد بالاکوٹی
قانون توہینِ رسالت کیا اور کب سے ہے؟	۲۶	محمد اعجاز مصطفیٰ
پرویزی دھوکا اور حقیقۃ الامر!	۳۳	علامہ محمد عبداللہ، احمد پور شرقیہ
موہنِ رسول کی سزائے قتل......	۴۱	جناب ابن عمر فاروقی، کراچی
شہید مسجد النبی صلی اللہ علیہ وسلم	۵۲	پروفیسر محمد حمزہ نعیم، جھنگ
اصلاح کا پہلا قدم!	۵۷	محمد راشد، ڈیرہ اسماعیل خان
زبان کی حفاظت	۶۰	محمد شفیق الرحمٰن، متعلم جامعہ

یادِ رفتگان

مولانا شمس اللہ عباسیؒ کا سانحۂ ارتحال	۶۴	محمد اعجاز مصطفیٰ

دار الافتاء

برہنہ تلاشی لینے والے ممالک کے سفر کا حکم!	۶۶	مولوی غلام مصطفیٰ

پاکستان میں کیا
پوپ بنی ڈکٹ کی حکومت ہے؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی

وطن عزیز اسلام کے نام پر وجود میں آیا، اس پاک خطے کے حصول کے لئے ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں جانوں کی قربانیاں دی گئیں، عفت مآب ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کی عصمتیں اور عزتیں سرِ راہ لوٹی اور تار تار کی گئیں، مسلم جوانوں کا خون پانی کی طرح بہایا گیا، اس اَرضِ پاک کی طرف ہجرت کر کے آنے والے بچوں، بوڑھوں، مردوں اور عورتوں کو خاک وخون میں تڑپایا گیا، انہیں گاجر مولی کی طرح کاٹا گیا، ان پر شب خون مارنے کے علاوہ پانی کے کنوؤں اور تالابوں کو زہر آلود کیا گیا۔

ہمارے بزرگوں نے یہ سب کچھ صرف اس لئے برداشت کیا تاکہ اللہ کی زمین پر اللہ کا نظام قائم ہو، اس خطے میں اللہ، اس کے رسول ﷺ، دِین ومذہب اور شریعتِ اسلام کا بول بالا اور آئینی وقانونی طور پر ان کے مرتبہ اور مقام کے اِعتبار سے انہیں تحفظ حاصل ہو۔

لیکن آج اسی ملک میں دین اور اہلِ دین کی توہین وتنقیص کی جاتی ہے، دینی راہنماؤں کو چن چن کر شہید کردیا جاتا ہے، دینی مراکز ومساجد کو بموں سے اُڑایا جاتا ہے، کفار کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنے والوں کو دہشت گرد اور قابلِ گردن زدنی قرار دِیا جاتا ہے۔ دین پڑھنے اور پڑھانے اور اس پر عمل کرنے والوں کو بنیاد پرست اور اِنتہا پسند کہا جاتا ہے، دین میں تحریف کرنے والوں کو روشن خیال مذہبی اسکالر، اِعتدال پسند اور دانشورانِ قوم کا تمغہ دے کر پروان چڑھایا جاتا ہے۔

نوبت بایں جا رسید کہ آج اسی ملک میں نبیٔ آخر الزمان، خاتم الانبیاء والمرسلین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی گستاخی کی جاتی ہے اور اسی ملک کا حکمران طبقہ قرآن وسنت، اِجماعِ اُمت اور آئین وقانون پر عمل کرنے کی بجائے کلیسائے رُوم کے پوپ بنی ڈکٹ کے حکم کی بجا آوری اور فرمانبرداری کے لئے

کوشاں اور سرگرداں نظر آتا ہے۔ بلکہ بعض حکومتی ارکان ایسے گستاخ موذیوں کی نہ صرف یہ کہ پشت پناہی کرتے ہیں، بلکہ بڑی ڈھٹائی اور دِیدہ دلیری سے ان کے وکیلِ صفائی اور ترجمان کا کردار بھی ادا کررہے ہیں۔ کیا کہا جائے کہ ایسے لوگ حضور ﷺ کا کلمہ پڑھنے والے اور آپ سے محبت کرنے والے مسلمان ہیں اور پاکستان کے حکمران ہیں؟ یا یہودیوں وعیسائیوں کے تنخواہ دار ایجنٹ اور کسی وائسرائے کی طرف سے مقرر کردہ نمبردار؟

اس اِجمال کی تفصیل یہ ہے کہ: چک نمبر۱۳ اٹاں والی ضلع ننکانہ کی ایک مسیحی عورت آسیہ نے ۱۴رجون ۲۰۰۹ء کو ایک فالسے کے باغ میں کام کرنے والی چند مسلم خواتین کے سامنے حضور ﷺ کی ذات کے متعلق دِلخراش اور اہانت آمیز کلمات کہنے کے علاوہ آپ ﷺ اور حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کی مبارک شادی کے متعلق گستاخانہ کلمات کہے اور واہی تباہی بکی۔ مسلمان خواتین رونے لگیں اور باغ کے مالک کو شکایت کی، اس نے ملعونہ سے اس واقعے کے متعلق دریافت کیا تو اس نے دوبارہ وہی گستاخانہ کلمات اس کے سامنے کہے، پھر پنچایت کے سامنے اس نے اَزخود گستاخی پر مبنی ان کلمات کا اِعتراف کیا۔ طریقۂ کار کے مطابق اس کے خلاف مقدمہ نمبر: ۳۲۶/۰۹ زیر دفعہ ۲۹۵سی تھانہ صدر ننکانہ میں درج ہوا، ڈیڑھ سال تک یہ کیس چلتا رہا، تمام قانونی تقاضوں کے عمل میں آنے کے بعد جرم ثابت ہونے پر فاضل جج نے ۸رنومبر ۲۰۱۰ء کو اسے سزائے موت اور ایک لاکھ روپے جرمانے کی سزا سنائی۔

اس فیصلے کے بعد قانونی تقاضا اور طریقۂ کار یہ تھا کہ ماتحت عدالت سے سزا ہونے کے بعد اپیل کے لئے ہائی کورٹ کی طرف رُجوع کیا جاتا، ہائی کورٹ اس سزا کو برقرار رکھتی تو سپریم کورٹ میں اپیل کا حق موجود تھا، اور سپریم کورٹ اس کی سزا برقرار رکھتی تو پھر صدرِ پاکستان کے پاس مجرمہ کی طرف سے رحم کی اپیل لے جائی جاتی (اگرچہ شریعت میں گستاخِ رسول کو معافی دینے کا کسی انسان کو حق نہیں)۔ اس تمام تر قانونی طریقۂ کار سے ہٹ کر اور خود کو جج تصوّر کرکے وفاقی وزیر برائے اقلیتی اُمور شہباز بھٹی نے آسیہ کو بے گناہ قرار دیتے ہیں اور ساتھ ہی قوم کو تعزیراتِ پاکستان کی دفعہ ۲۹۵سی کو تبدیل کرنے کی یہ ''نوید'' سناتے ہیں کہ اگلے برس اس بارے میں قانون سازی ہوجائے گی۔ خبر کا متن ملاحظہ ہو:

> ''حکومت نے عالمی دباؤ پر توہینِ رسالت کے قانون میں تبدیلی کی تیاری شروع کردی، اور اس ضمن میں حزبِ اِختلاف کی جماعتوں اور مذہبی تنظیموں سے مشاورت کا آغاز کردیا گیا ہے۔ دُوسری جانب عیسائیوں کے مذہبی پیشوا پوپ بنی ڈکٹ اور ایمنسٹی انٹرنیشنل نے حکومتِ پاکستان سے توہینِ رسالت کے اِلزام میں عدالت سے سزائے موت پانے والی ملعون آسیہ بی بی کو رہا کرنے کا مطالبہ کیا ہے۔ بی بی سی کے مطابق اقلیتوں کے وفاقی وزیر شہباز بھٹی نے اپنے انٹرویو میں کہا ہے کہ وہ توہینِ

رسالت قانون کے غلط استعمال کو روکنے کے لئے قانون سازی کی کوشش کررہے ہیں اور اُمید ہے کہ اگلے برس اس بارے میں قانون سازی ہوجائے گی۔ انہوں نے بتایا کہ اس بارے میں تجویز ہے کہ توہینِ رسالت کی شکایت پر مقدمہ درج ہونے سے قبل ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج انکوائری کرے، اور اگر ثابت ہوجائے کہ بادی النظر میں توہینِ رسالت کی گئی ہے تو پھر مقدمہ درج ہونا چاہئے۔ وفاقی وزیر نے کہا کہ بعض لوگوں نے اپنے مفاد کے حصول کے لئے اس قانون کا غلط استعمال کیا اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ آج تک پاکستان میں کسی شخص کو توہینِ رسالت کے قانون کے تحت ملنے والی سزا کو پاکستان کی اعلیٰ عدالتوں نے تسلیم نہیں کیا اور کسی شخص کو بھی سزا نہیں بھگتنا پڑی۔ شہباز بھٹی نے توہینِ رسالت کے قانون کے تحت موت کی سزا پانے والی آسیہ بی بی کے حوالے سے کہا کہ انہوں نے پنجاب حکومت کو خط لکھا ہے کہ جیل میں آسیہ کی حفاظت کو یقینی بنایا جائے اور اسے اِنصاف دِلانے کے لئے تمام کوششیں کی جائیں۔ انہوں نے کہا کہ آسیہ نے ہائی کورٹ میں اپیل دائر کردی ہے۔ اور اُمید ہے کہ وہ وہاں سے بَری ہوجائے گی۔ دریں اثنا عیسائیوں کے مذہبی پیشوا پوپ بنی ڈکٹ نے اپنے ہفتہ وار خطاب میں دعویٰ کیا کہ پاکستان میں مسیحی برادری کو اکثر تشدّد اور اِمتیازی سلوک کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ انہوں نے آسیہ کے ساتھ اپنی رُوحانی قرابت کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ وہ دُعا کرتے ہیں کہ اس طرح کے حالات کا سامنا کرنے والے ہر شخص کے اِنسانی وقار اور بنیادی حقوق کا اِحترام ہو۔ (روزنامہ اُمت ۲۰ رنومبر ۲۰۱۰ء)

توہینِ رسالت کی مجرمہ کو رہائی دِلانے کے لئے پاکستان پیپلز پارٹی صوبہ پنجاب کے ''مسلمان'' گورنر جناب سلمان تاثیر کی سرگرمیاں اور ہمدردیاں بھی ملاحظہ ہوں:

''توہینِ رسالت کی مجرمہ خاتون کو معافی دِلانے کے لئے گورنر پنجاب سلمان تاثیر نے کہا ہے کہ میں صدر آصف علی زرداری کو توہینِ رسالت کے اِلزام میں عدالت سے سزائے موت پانے والی ۴۵ سالہ عیسائی خاتون آسیہ کا معافی نامہ پیش کروں گا۔ اُمید ہے کہ صدر زرداری آسیہ کو معافی دے دیں گے۔ آسیہ کو معافی ملنے سے مذہبی حلقوں سے تصادم نہیں ہوگا، یہ مذہب نہیں انسانیت کا معاملہ ہے۔ آسیہ نے معافی کی درخواست دے دی ہے اور اس کی سزا بدستور برقرار ہے۔ میں عدالتی فیصلے میں مداخلت نہیں کرنا چاہتا لیکن آسیہ کی سزا اِنسانیت کے ناتے معاف کرانے کی کوشش کروں گا۔ وہ توہینِ رسالت کے جرم میں سزائے موت کے اِنتظار میں شیخوپورہ جیل

میں قید ننکانہ صاحب کے گاؤں اٹاں والی کی رہائشی آسیہ کے ہمراہ میڈیا سے گفتگو کر رہے تھے، اس موقع پر آسیہ بی بی نے کہا کہ اس کے خلاف جھوٹا مقدمہ بنایا گیا، وہ حضور ﷺ کو آخری نبی مانتی ہے۔ گورنر پنجاب نے میڈیا سے گفتگو میں کہا کہ بے بسوں کو ایسے مقدمات میں ملوث کر کے مذاق اُڑایا جارہا ہے۔ یہ تاثر غلط ہے کہ میں عالمی دباؤ کی وجہ سے آسیہ سے جیل ملنے آیا ہوں۔ میں پہلے بھی اس کیس کا جائزہ لے رہا تھا اور میری ہمیشہ کوشش رہی کہ عدالتیں بے بسوں کے حق میں فیصلے دیں لیکن میں عدالت کے کام میں مداخلت نہیں کرسکتا۔ صدر سے آسیہ کو معافی ملنے سے مذہبی تصادم نہیں ہوگا، کیونکہ یہ مذہبی نہیں، انسانیت کا معاملہ ہے۔ ہم اس معاملے میں مذہب نہیں لانا چاہتے۔ ہم جناح وبھٹو کے وارث ہیں اور ترقی پسند پاکستان دیکھنا چاہتے ہیں، اور ان کے اُصولوں کے مطابق ملک کو روشن خیال، ترقی پسند ملک بنانا چاہتے ہیں۔ گورنر پنجاب سلمان تاثیر نے کہا کہ آسیہ بی بی کا معافی نامہ میں خود صدر کو پیش کروں گا۔ ہم یہ پیغام دینا چاہتے ہیں کہ پیپلز پارٹی اقلیتوں کی حفاظت کرتی رہے گی اور ہم انہیں اس قسم (توہینِ رسالت جیسے) مقدمات کا ہدف نہیں بننے دیں گے۔ ہم توہینِ رسالت کے قانون کی حمایت نہیں کرتے، تاہم ہماری حکومت مخلوط ہے اور تبدیلی کے لئے سب کو ایک ہی کشتی میں سوار ہونا پڑے گا......۔" (روزنامہ اُمت ۲۱رنومبر ۲۰۱۰ء)

اخبارات میں ہے کہ صدرِ پاکستان جناب آصف علی زرداری صاحب نے توہینِ رسالت قانون پر عمل درآمد کے طریقۂ کار میں تبدیلی کے لئے اقلیتی اُمور کے وفاقی وزیر کی سربراہی میں ایک کمیٹی مقرر کردی ہے۔ روزنامہ اُمت کی خبر ملاحظہ ہو:

"وفاقی وزیر برائے اقلیتی اُمور شہباز بھٹی نے توہینِ رسالت کے اِلزام میں سزائے موت پانے والی آسیہ بی بی کے کیس کی رپورٹ صدر زرداری کو پیش کردی ہے، جس میں کہا گیا ہے کہ ملزمہ بے گناہ ہے اور اسے ذاتی رنجش کی بنا پر مقدمے میں پھنسایا گیا ہے۔ رپورٹ میں آسیہ بی بی کو معافی دینے، سزا معطل کرنے اور ان کے اہل خانہ کو سیکورٹی فراہم کرنے کی سفارش کی گئی ہے۔ صدر آصف علی زرداری نے توہینِ رسالت قانون پر عمل درآمد کے طریقۂ کار میں اِصلاحات کے لئے وفاقی وزیر شہباز بھٹی کی سربراہی میں کمیٹی بنانے کا حکم دے دیا ہے۔ صدر نے کہا کہ حکومت کسی کو توہینِ رسالت قانون کے غلط اِستعمال کی اِجازت نہیں دے گی اور اس قانون کے غلط اِستعمال کے بڑھتے ہوئے واقعات کو روکنے کے لئے اِنتظامی، طریقہ جاتی اور قانونی اِقدامات سمیت

تمام تر مناسب اِقدامات اُٹھائے جائیں۔ صدر نے شہباز بھٹی کو ہدایت کی کہ وہ اِصلاحاتی طریقۂ کار کی سفارش کے لئے دانشوروں اور ماہرین کی کمیٹی کے لئے نام تجویز کریں، تاکہ ذاتی اور سیاسی وجوہات پر توہینِ رسالت قانون کے غلط اِستعمال کو موٴثر طور پر روکا جاسکے۔ صدر زرداری سے وفاقی وزیر برائے اقلیتی اُمور شہباز بھٹی نے ایوانِ صدر میں ملاقات کی اور انہیں آسیہ بی بی کیس کی رپورٹ پیش کی جسے تعزیراتِ پاکستان (پی پی سی) کی دفعہ ۲۹۵ بی اور سی کے تحت موت کی سزا سنائی گئی ہے۔ معاون دستاویزات کے ہمراہ رپورٹ میں نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ آسیہ بی بی کے خلاف توہینِ رسالت کا مقدمہ ذاتی دُشمنی کی بنیاد پر درج کرایا گیا اور ایف آئی آر میں بیان کردہ رپورٹ من گھڑت اور بدنیتی پر مبنی ہے۔ رپورٹ میں آسیہ بی بی کے لئے معافی اور سزا کی معطلی کی سفارش کی گئی۔ جبکہ جیل میں آسیہ بی بی اور اس کے اہل خانہ کو سیکورٹی فراہم کرنے کی بھی سفارش کی گئی۔ وفاقی وزیر شہباز بھٹی نے رپورٹ پیش کرتے ہوئے کہا کہ اقلیتوں سے تعلق رکھنے والے لوگ توہینِ رسالت کے نتائج کو بخوبی سمجھتے ہیں۔ انہوں نے کہا جنرل ضیاء الحق کی طرف سے موجودہ شکل میں متعارف کردہ توہینِ رسالت کے قانون سے پہلے اقلیتوں کے خلاف توہینِ رسالت کا ایک بھی مقدمہ سامنے نہیں آیا تھا، لیکن اس قانون کے نفاذ کے بعد سینکڑوں غیر مسلموں کو غلط طور پر توہینِ رسالت کے قانون کے مقدمات میں ملوث کیا گیا، ان میں سے کئی کو عدالتی عمل سے رُجوع کئے بغیر ہلاک کردیا گیا۔'' (روزنامہ جنگ کراچی ۲۶ رنومبر ۲۰۱۰ء)

لیکن اس کے باوجود وزیر قانون جناب بابر اعوان صاحب فرماتے ہیں کہ میری موجودگی میں کوئی قانونِ توہینِ رسالت تبدیل نہیں کرسکتا، روزنامہ جنگ کی خبر ملاحظہ ہو:

''وزیر قانون بابر اعوان نے صاف الفاظ میں کہا ہے کہ کسی کو توہینِ رسالت قانون کو تبدیل کرنے کے بارے میں سوچنا بھی نہیں چاہئے۔ جنگ گروپ کے ایک سینئر رکن سے جمعرات کو گفتگو کرتے ہوئے وزیر قانون نے خود کو ''شاہین'' کا لقب دیتے ہوئے کہا کہ ''وزیر قانون کی حیثیت سے میری موجودگی کے دوران کسی کو بھی اس قانون کو ختم کرنے کے بارے میں سوچنا تک نہیں چاہئے۔'' اندرونی اور بیرونی اداکاروں کی جانب سے شروع کئے گئے جاری منظم پروپیگنڈے کے درمیان جس میں مطالبہ کیا جارہا ہے کہ اقلیتوں کو نشانہ بنانے والے توہینِ رسالت کے قانون کو منسوخ کیا جائے، وزیر قانون جو دیگر صورتوں میں بے حد محتاط واقع ہوئے ہیں، اس معاملے میں اِستقلال سے جم گئے

ہیں۔ بابر اعوان جو صدر زرداری کے قریبی مشیر ہیں اور کئی تنازعات میں ان کا کردار رہا ہے، انہوں نے یہ کہہ کر وہ حیثیت حاصل کرلی ہے جو اس حیثیت سے قطعی مختلف ہے جو پنجاب کے گورنر سلمان تاثیر کو حاصل تھی......“ (روزنامہ جنگ کراچی جمعہ ۲۶/نومبر ۲۰۱۰ء)

حکومت کے اہم ترین ذمہ داروں کے ان بیانات سے نہ صرف حکومت کے عزائم کی پوری تصویر جھلکتی ہے بلکہ اس کے تمام خط وخال بھی نمایاں نظر آتے ہیں، جس کا خلاصہ درج ذیل نکات میں پیشِ خدمت ہے:

۱:...توہینِ رسالت قانون کے غلط استعمال کو روکنے کے لئے قانون سازی کی کوشش کررہے ہیں۔

۲:...اگلے برس اس بارے میں قانون سازی ہوجائے گی۔

۳:...توہینِ رسالت کی شکایت پر مقدمہ درج ہونے سے قبل ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج انکوائری کرے۔

۴:...اگر ثابت ہوجائے کہ بادی النظر میں توہینِ رسالت کی گئی ہے تو پھر مقدمہ درج ہونا چاہئے۔

۵:...آج تک پاکستان میں کسی شخص کو توہینِ رسالت کے قانون کے تحت ملنے والی سزا کو پاکستان کی اعلیٰ عدالتوں نے تسلیم نہیں کیا، اور کسی شخص کو بھی سزا نہیں بھگتنی پڑی۔

۶:...یہ مذہب نہیں، انسانیت کا معاملہ ہے۔

۷:...ہم جناح اور بھٹو کے وارث ہیں، اور ترقی پسند پاکستان دیکھنا چاہتے ہیں۔

حکومتی پارٹی کے تمام بیانات کا خلاصہ اور لبِ لباب صرف ان مذکورہ بالا نکات کے گرد گھومتا ہے۔

۱-۲:... پہلے دو نکات کے جواب کے لئے وفاقی وزیر قانون جناب بابر اعوان کا مذکورہ بالا بیان کافی ہے، اور یہ صرف محترم جناب بابر اعوان کے جذبات نہیں بلکہ پاکستانی مسلم قوم کے ایک ایک فرد اور جوان کے یہی جذبات ہیں۔

۳-۴:...معمولی فہم وفکر کا مالک یہ بات بخوبی جانتا ہے کہ توہینِ رسالت کی شکایت پر مقدمہ درج ہونے سے قبل ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج کی انکوائری کی شرط درحقیقت اس قانون کو یکسر ختم کرنے کے مترادف ہے۔ علاوہ ازیں یہ تحقیق کرنا کہ یہ اِلزام کہاں تک صحیح ہے اور کہاں تک صحیح نہیں، یہ خالص عدالت کے دائرے کی چیز ہے۔ مزید یہ کہ پاکستان میں ایسا کون سا جرم ہے کہ اس کی رپورٹ کے لئے ڈپٹی کمشنر یا کسی اور کی پیشگی منظوری کو شرط قرار دیا گیا ہو؟ اگر ایسا نہیں ہے اور یقیناً ایسا نہیں ہے تو پھر قانونِ توہینِ رسالت پر ایسی نوازش کیوں؟ ہر صاحبِ عقل جانتا ہے کہ یہ دراصل اس قانون کی افادیت کو ختم کرکے اسے معطل کردینا اور آنحضرت ﷺ کی توہین کرنے والے کو دست اندازی پولیس کے دائرے سے نکالنے کی مذموم کوشش ہے۔ عوام الناس بجا طور پر سمجھتے ہیں کہ: قانونِ توہینِ رسالت کے جرم کو اس شرط کے ساتھ مشروط کرنا اگر ایک طرف عدلیہ کے کام میں مداخلت ہے تو دوسری طرف

آنحضرت ﷺ سے صریح غداری بھی ہے۔

۵:...اگر ایسا ہے کہ اعلیٰ عدالتوں نے توہینِ رسالت کے قانون کے تحت ملنے والی سزا کو تسلیم نہیں کیا اور کسی شخص کو بھی سزا نہیں بھگتنا پڑی تو ہم پوچھنا چاہیں گے کہ جناب گورنر پنجاب سے لے کر امریکا صاحب بہادر تک اور این جی اوز سے لے کر پوپ بنی ڈکٹ تک پریشان کیوں ہیں؟ اور آئینی وقانونی طریقۂ کار سے ہٹ کر اتنا جلد بازی، شور اور واویلا کیوں؟ ہر ایک صبر کرے اور مقدمے کو منطقی انجام تک پہنچنے دے، دُودھ کا دُودھ اور پانی کا پانی سامنے آجائے گا۔

۶:...گورنر پنجاب جناب سلمان تاثیر صاحب کہتے ہیں کہ ''یہ مذہب نہیں، انسانیت کا معاملہ ہے'' جنابِ من! پاکستان کی بیٹی ڈاکٹر ر فظہ عافیہ صدیقی امریکا کی جیل میں سڑ رہی ہے، انسانی معاشرے کی بے حسی دیکھ کر اس نے اپیل کا حق مسترد کردیا ہے، آپ جیسے ''انسانیت کے ہمدردوں'' کو آج تک اس مسلم بیٹی کے حق میں انسانیت یاد نہیں آئی اور ایک مسیحی گستاخ ملعونہ کو جرم ثابت ہونے پر پاکستانی عدالت سے سزا ہوئی ہے تو آپ کو انسانیت یاد آجاتی ہے، آخر ایسا اِمتیاز کیوں...؟

۷:...گورنر پنجاب نے کہا: ''ہم جناح اور بھٹو کے وارث ہیں، اور ترقی پسند پاکستان دیکھنا چاہتے ہیں'' عوام پوچھنا چاہتی ہے کہ قائداعظم محمد علی جناح صاحب تو گستاخ رسول کو جہنم رسید کرنے والے عظیم مجاہد غازی علم الدین شہیدؒ کی جانب سے وکیل بن کر عدالت سے ان کو رہائی دِلانے کے لئے مضطرب وبے چین رہے تھے۔ اسی طرح مسٹر ذُوالفقار علی بھٹو نے حضور ﷺ کی ختم نبوت کے دُشمن قادیانیوں اور مرزائیوں کو پاکستان کی پارلیمنٹ سے آئینی طور پر کافر قرار دِلوایا، آپ اور آپ کی پارٹی کا مخصوص ٹولہ، حضور ﷺ کے گستاخوں، قادیانیوں اور این جی اوز کے وکیلِ صفائی، ان کے ہمدرد اور خیرخواہ بن کر ان کی وکالت کر رہے ہیں، تو آپ ان کے وارث کیسے؟ حالات اور واقعات سے تو محسوس ہوتا ہے کہ آپ جناح اور بھٹو سے زیادہ گستاخانِ رسول اور پوپ بنی ڈکٹ کے وارث ہیں۔

گورنر صاحب! حضور ﷺ کے گستاخوں اور کافروں کا ساتھ دینے سے پاکستان کبھی ترقی پسند نہیں بن سکتا، آپ حضور ﷺ کے دُشمنوں اور گستاخوں کو ایک بار پھانسی کے تختے پر چڑھنے دیں، پھر دیکھئے گا کہ اللہ کی رحمت اور فضل کس طرح پاکستان کا مقدر بنتا ہے اور کس طرح پاکستان ترقی کے زینے طے کرتا ہے۔

بہرحال حکومت کو چاہئے کہ ہوش کے ناخن لے اور اپنے ان عزائم کو ترک کرکے آنحضرت ﷺ کی عزت وحرمت کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے ایمانی جذبات کا اِحترام کرے اور اپنے اس فارمولے کو پھاڑ کر گندی نالی میں پھینک دے۔

وصلی اللہ تعالی علی خیر خلقه سیدنا محمد وآله وصحبه أجمعین

موجودہ حکومت اور اسلامی آئین

محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ

موجودہ حکومت نے اپنی صوابدید کے مطابق یا رائے عامہ کا احترام کرتے ہوئے جو بہت سے اہم اقدامات کئے ہیں اور ان کے بارے میں جو فیصلے مخالف آواز کے باوجود پوری قوت سے نافذ کئے ہیں، ان کے تذکرہ کی ضرورت نہیں، سوال یہ ہے کہ کیا ''اسلامی آئین'' کا مسئلہ اتنا الجھا ہوا ہے کہ اسے آئندہ اسمبلی پر ٹال دیا گیا؟ اسمبلی جن حالات وکوائف میں وجود میں آئے گی، وہ کسی سے ڈھکے چھپے نہیں اور اس سے جو ناقابل اصلاح بحران پیدا ہوجانے کا قوی امکان ہے، وہ بھی مخفی نہیں۔

اس کا احساس ہر عامی کو بھی ہے، کیا اس کا نتیجہ یہ نہیں ہوگا کہ قوم ہمیشہ کے لئے بے دستور رہے اور اسلامی آئین کی راہ میں ایک ایسی خندق حائل کردی جائے جسے صدیوں تک پاٹنا ممکن نہ ہو، قوم مسلمان ہے، ملک مسلمانوں کا ہے، اسے اسلام ہی کے نام پر حاصل کیا گیا ہے، یہاں بغیر کسی بحث وتمحیص کے ''اسلامی آئین'' نافذ ہونا چاہیئے، جو خود گومگو کی حالت میں ہوں گے، جو متضاد ذہن لے کر اسمبلی میں جائیں گے اور جن کی ناکامی کی سزا پوری قوم کو خدا جانے کب تک ملتی رہے گی۔

مارشل لاء حکومت کی بے نفسی وبے غرضی اس صورت میں زیادہ نمایاں ہوسکتی ہے کہ وہ ارباب حل وعقد، علماء وزعماء اور ماہرین قانون کے مشورے سے ایک مسودۂ آئین تیار کرکے اسے منظور کرلیتی، اس کے مطابق انتخابات ہوتے اور آئین ساز اسمبلی کو حق دیا جاتا کہ وہ اسے منظور کرے یا اس میں مناسب ترمیم کرے، یا کم ازکم اتنا ہی کرلیا جاتا کہ ایک آئینی مسودہ اسمبلی میں پیش کردیا جاتا اور اس کے ساتھ یہ تصریح کردی جاتی کہ دستور کی فلاں فلاں دفعات، جن کا تعلق اسلامی قانون کے نفاذ سے ہے، زیر بحث نہیں آئیں گی اور ان کے علاوہ انتظامی نوعیت کی دفعات میں ایوان کو ترمیم کا حق ہوگا، تب بھی امکان تھا کہ اسمبلی ۱۲۰ دن میں اس بھاری بوجھ سے عہدہ برآں ہوسکتی، غالبًا یہ پہلا تجربہ ہے کہ اسمبلی کو کسی مسودہ کے بغیر ہی آئین سازی کی زحمت دی جائے اور اس کے لئے چار ماہ کی مدت بھی مقرر کردی جائے۔ جہاں تک اسلامی قانون

کے نفاذ کا تعلق ہے وہ امت مسلمہ کی مشترکہ میراث ہے، اس پر رائے زنی، بحث وتمحیص اور ووٹنگ یا اختلاف رائے کا کوئی اعتبار نہیں، اسمبلی کا دائرہ عمل انتظامی امور، خارجہ پالیسی، شعبوں کی تقسیم اور ہر شعبے کے اختیارات جیسے مسائل تک محدود رہنا چاہیئے تھا، خلاصہ یہ کہ اسلام میں شریعت کے مسلمہ اصول وقواعد اور احکام ومسائل پر رائے زنی کا حق کسی حکمراں، کسی ادارے اور کسی گروہ کو نہیں دیا گیا۔

راہِ نجات

اوپر جو کچھ عرض کیا گیا ہے اس سے مستقبل کے بھیانک خطرات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، نجات کا مختصر راستہ بس یہ ہے کہ:

ا......سیاسی جماعتوں اور ان کے قائدین کو مشرقی ومغربی، سرخ وسفید اور دائیں بائیں کی تلخیوں کو مزید نہیں بڑھانا چاہیے، گروہی مفادات سے ہٹ کر امت کے مفاد کی بنیاد پر سوچنا چاہیئے، انہیں یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیئے کہ اصولی طور پر الیکشن محض کرسیٔ اقتدار کے لئے نہیں، بلکہ دستور بنانے کے لئے ہے اور اگر باہمی مفاہمت نہیں ہوئی اور فضا کو خوشگوار نہیں بنایا گیا تو نہ دستور بنے گا، نہ اسمبلی رہے گی، نہ آپ لیڈر رہیں گے، نہ آپ کی سیاسی جماعت رہے گی، اس نازک وقت میں ایک دوسرے پر الزامات تھوپنا، نفرت انگیزی کی مہم چلانا اور ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی روا اور ناروا کوششیں کرنا، سیاسی نابالغی کی علامت اور خودکشی کا پیش خیمہ ہے، اگر سیاسی جماعتوں کے قائدین میں ذرا بھی اخلاص وایمان اور فہم وبصیرت ہے تو ان کو باہمی مفاہمت، خلوص اور اسلامی وفاداری کے خطوط پر سوچنا ہوگا، ظلم وعدوان کا ماحول بنانے کے بجائے بر وتقویٰ اور خلوص ونیک دلی کی فضا پیدا کرنی ہوگی، بہرحال یہ الیکشن فیصلہ کرے گا کہ ہمارے سیاسی قائدین ہوش اور تدبر کے ساتھ ملک کا نظام بھی چلا سکتے ہیں یا صرف لڑنا جانتے ہیں۔

۲......امت کے مختلف اعضاء میں جو بدمزگی پیدا ہو رہی ہے یا جان بوجھ کر پیدا کی جارہی ہے، یہ بھی پوری قوم کے لئے پیامِ موت ہوسکتی ہے، آجر واجیر، کارخانہ دار اور کاریگر کسان اور زمیندار، غریب اور امیر، اساتذہ وطلبہ، مختلف طبقات نہیں، بلکہ حسبِ ارشاد نبوی ﷺ امت مسلمہ کے اعضاء اور ایک دوسرے کے دست وبازو ہیں جو شخص بھی ان میں منافرت پیدا کرنا چاہتا ہے، وہ پوری قوم کو مفلوج کرنے کے درپے ہے اور ملک کو تباہی کے غار میں دھکیلنا چاہتا ہے، شدید ضرورت ہے کہ ملت کے ایک ایک فرد میں ''حق طلبی'' کے بجائے حق شناسی اور حق دہی کا ایسا جذبہ پیدا کیا جائے کہ کسی کو کسی سے شکایت کا موقع نہ رہے، ایک فرد کا دکھ درد پوری قوم کو تڑپا کر رکھ دے، مشکلات کو ہمدردی سے حل کیا جائے، ضد اور ہٹ دھرمی کے ذریعہ مشکلات میں مزید اضافہ نہ ہونے دیا جائے۔

۳......ملک کے بارہ کروڑ عوام کو اچھی طرح محسوس کرنا چاہیئے کہ دستور سازی کا سارا بوجھ صدر مملکت نے دراصل ان کے کندھوں پر ڈال دیا ہے، اگر قوم کسی آئینی بحران کا شکار ہوئی تو اس کی

مسئولیت سے کوئی فرد بھی بری الذمہ نہیں ہوگا، جو نمائندے آپ کے ووٹ سے منتخب ہوں گے، ان کی اچھی یا بری کارگذاری آپ کے سر ہوگی، اس لئے ملک کے ایک ایک فرد کا یہ فرض ہے کہ وہ کسی حلقے سے خودغرض، مفاد پرست، بد دین اور منافقت پیشہ لوگوں کو کامیاب ہونے کا موقع نہ دیں،، بلکہ صرف ان ہی افراد کو منتخب کریں جن کے دین و دیانت پر اعتماد ہو، جو اسلام پر غیر متزلزل ایمان رکھتے ہوں، بے ایمان اور بد دین نہ ہوں، غریب عوام کا واقعی درد رکھتے ہوں، ان کی زندگی اور سیرت و کردار پر ظلم و ستم کے داغ نہ ہوں، خواہ ان کا تعلق کسی پارٹی سے ہو۔

علماء کرام اور الیکشن

ہم نے حضرات علماء کرام "**ثبتنا الله و ایاهم علی دینه**" کی خدمت میں بہت کچھ لکھا ہے، مگر اب تک یہ ہوا ہے کہ ہر فریق نے اپنے مطلب کی باتیں لے لیں اور باقی تھوک دیں، بقول عارف رومیؒ:

ہر کسے از ظن خودشد یار من
وز درونِ من نجست اسرار ِ من

اس لئے اب مزید لکھنے کو جی نہیں چاہتا، تاہم ملک و ملت کے نئے حالات کا تقاضا ہے کہ دونوں طرف کے بزرگوں سے ایک دوسرے کے بارے میں ایک بار پھر عرض کیا جائے کہ:

"**صل من قطعک واعف عمن ظلمک واحسن الی من اساء الیک**" (جو تم سے کٹے تم اس سے جڑو، جو تم پر ظلم کرے تم اسے معاف کردو اور جو تم سے برائی سے پیش آئے تم اس سے بھلائی کرو) ارشاد نبوت ہے اور حضرات علماء کرام ہی سے اس اخلاق نبوت کے نمونے کی توقع رکھی جاسکتی ہے۔ رہا نظریات کا اختلاف تو یہ محض سراب اور دھوکہ ہے۔

بقول دشمن پیمان دوست بشکستی
ببیں کہ از کہ بریدی وبا کہ پیوستی

اسی دھوکے میں آکر ایک فریق مبتدع جماعتوں کے ساتھ تو معاہدہ کرتا ہے کہ نہ ان کے خلاف لب کشائی ہوگی نہ قلم کو جنبش آئے گی مگر دوسرے فریق کو سوشلسٹ کہا جاتا ہے اور یہ دوسرا فریق ایسے لوگوں کے ساتھ جن کی اسلام سے وابستگی کا حال سب کو معلوم ہے، انتخابی وعدہ کرتا ہے (اور ان کے ہر قول و عمل کی توثیق ضروری سمجھی جاتی ہے) مگر پہلے فریق کو امریکی سامراج اور سرمایہ داروں کا ایجنٹ قرار دیتا ہے، اناللہ۔ گویا جن بزرگوں کی داڑھیاں قال اللہ وقال الرسول میں سفید ہوئیں اور آج بھی بحمد اللہ اسی خدمت میں مشغول ہیں وہ تو یکا یک خدانخواستہ ایک طرف سے سوشلسٹ اور دوسری طرف سے امریکی سامراج کے ایجنٹ بن گئے اور جن کے پیانِ وفا کا نیا نیا انکشاف ہوا ہے وہ پکے مسلمان یا اسلام پسند ہیں۔ "**صدق رسول الله ﷺ ویقضی اباه ویدنی صدیقه**"۔

ہمارا مقصود ان معاہدوں پر یا ان بزرگوں کے اخلاص پر تنقید کرنا نہیں، ہم خود اس حق میں ہیں کہ اس نازک وقت میں زیادہ سے زیادہ امت کو ”اسلام کے ایک پلیٹ فارم“ پر جمع کیا جائے، ہماری تمنا ہے کہ وہ ان کو اور یہ ان کو کھینچ کر لائیں اور امت واحدہ بنادیں، اوپر جو کچھ کہا گیا ہے اس کا منشا یہ ہے کہ:

۱...... جب دور دور جاکر صلح ہوسکتی ہے اور معاہدے کئے جاسکتے ہیں تو غلط فہمیوں کے غبار میں نزدیک والوں سے ملنے کو کیوں کسر شان سمجھا جائے؟

۲...... جس سے انتخابی معاہدہ کرلیا جائے کیونکر اس کے ہر قول و عمل کی توثیق کی جائے؟

۳...... اگر ایک کا موقف دوسرے کی سمجھ میں نہیں آیا تو اس کے لئے ضرورت افہام وتفہیم کی ہے یا کہ ”**تنابز بالالقاب**“ کی؟

۴...... اصول یہ ہونا چاہیے کہ صحیح بات اگر حریف کہے تو رد نہ کرو، اور غلط بات حلیف کے منہ سے نکلے تو تأویلیں نہ کرو۔ بہرحال یہ ایک ضمنی بات تھی جو بادلِ ناخواستہ زبانِ قلم پر آگئی، اصل بات جو حضرات علماء سے عرض کرنی ہے وہ یہ ہے کہ ان کو اور ان کے ساتھ تمام مخلص مسلمانوں کو ناکام کرنے کا منصوبہ بن چکا ہے اور اس کی تفصیلات طے ہوچکی ہیں، نصف منصوبہ الیکشن سے پہلے کا ہے اور نصف اس کے بعد کا، بائیس سال سے باطل قوتیں دھیرے دھیرے اپنا راستہ بنارہی تھیں مگر انہیں کھل کر سامنے آنے کی ہمت نہیں تھی، انہیں ان بوریہ نشین درویشوں اور دین وملت کے پاسبانوں کی قوت ایمانی کا احساس تھا، اچانک تاریخ نے ایک نیا ورق اُلٹا، اور یہ الیکشن سامنے آیا جس کا ماقبل و مابعد پیش کیا جاچکا ہے، طاغوتی قوتوں نے محسوس کیا کہ یہی موقع ہے کہ راستے کے اس پتھر کو ہٹا دیا جائے اور علماء کو ان ہی کی تلوار سے کاٹ دیا جائے، چنانچہ پروپیگنڈے کے ذریعہ علماء میں پھوٹ کی بنیاد ڈالی گئی، اخبارات میں جھوٹی سچی خبریں چھاپی گئیں، لگائی بجھائی کے لئے دونوں طرف مفسدوں کا ایک ٹولہ مقرر کیا گیا، ایک کو سفید سامراج کے خلاف اُکسا کر کام نکالا گیا، دوسری طرف سرخ آندھی کے خطرہ کی گھنٹی بجائی گئی، کوئی آئے نہ آئے مگر دونوں طرف سے علماء کو چل دیا گیا، ”جہاد“ کے دونوں فریق ”الاسلام“ کے لئے لڑ رہے ہیں مگر جب معرکہ کارزار ختم ہوگا تو پتہ چلے گا کہ مال غنیمت دوسروں کے حصہ میں آیا اور ”اسلام“ کے بے لوث سپاہیوں کے حصے میں گہرے زخم۔ جن سے کبھی جانبر نہ ہوسکیں۔ یا کم از کم ان کی ٹیس ہمیشہ باقی رہے۔

خود غرض مفسدوں نے دونوں طرف کا تمام اسلحہ اسی خانہ جنگی میں ختم کرادیا، بد باطن ملاحدہ خوش ہیں کہ دونوں طرف کے بزرگوں نے ایک دوسرے پر ضمیر فروشی اور کفر تک کے فتوے لگا کر اپنے ہاتھ خود کاٹ لئے، فتوؤں کی دوطرفہ تیراندازی سے ان کے بازو شل اور جسم چھلنی ہوگئے، وہ مجموعی طور پر آئندہ کبھی باطل کے لئے خطرہ نہیں بنیں گے، نہ ان کا ”فتویٰ“ کبھی ان سے تجاوز کرے گا۔ ادھر عام مسلمان ششدر ہیں، حیران ہیں، پریشان ہیں کہ یا اللہ! یہ یکایک کیا آفت آگئی، اور اب صورت حال یہ ہے:

لا یصلح الناس فوضیٰ لاسراۃ لھم
ولا سراۃ اذا جھالھم سادوا

یعنی ”فوضیت (انتشار و پراگندگی) کے ہوتے ہوئے جب کہ قوم کے رئیس باقی نہ رہیں، اصلاح کی کوئی توقع نہیں جس طرح کہ جاہلوں کی قیادت میں کوئی خیر نہیں، اس کا وجود، عدم سے بدتر ہے“۔

یہ تھا منصوبے کا پہلا حصہ جو بڑی چابکدستی سے نافذ کیا گیا، کہ کسی کو احساس تک نہ ہونے دیا گیا، (اور دوسرے حصہ کا خاکہ تیار ہے مگر الیکشن تک خود ان کا مفاد مانع ہے) اسی کا نتیجہ ہے کہ اب سے کچھ پہلے کسی کو جرأت نہ تھی، کہ وہ علمائے کرام پر فقرے چست کرے، اخباروں کے مزاحیہ کالم بڑوں بڑوں پر لکھے جاتے تھے، لیکن کسی عالم دین پر لکھنا سوئے ادب سمجھا جاتا تھا، اب نہ صرف علماء پر گھٹیا قسم کے مقالے لکھے جارہے ہیں، بلکہ تیسرے اور چوتھے درجہ کے صحافی، جنہیں شاید صبح اٹھ کر منہ دھونا بھی نصیب نہ ہوتا ہو اللہ تعالیٰ کے ایسے ایسے مقبول بندوں پر طعنہ زنی کرتے ہیں، جن کے آنسوؤں سے بوقت سحر گاہی زمین سیراب ہوتی ہے، جن کی دعائیں عرش پر سے اللہ تعالیٰ کی رحمت کو کھینچ لاتی ہیں اور جن کے وجود کی برکت سے عذاب ٹلتا ہے، ”**افما تنصرون و ترزقون بضعفائکم**“۔

اب کیسے یقین دلایا جائے کہ بحمد اللہ نہ ہی وہ سوشلسٹ ہیں نہ یہ کسی کے ایجنٹ، انسانی کمزوریوں سے معصوم و مبرا کوئی بھی نہیں، نہ ہم، نہ وہ، نہ یہ، نہ کوئی دوسرا تیسرا، (جو کچھ عرض کیا گیا ہے یہ محض شاعری نہیں، سوچے سمجھے منصوبے کی نشاندہی ہے) کاش! کسی بڑی سے بڑی ذات کا واسطہ دے کر عرض کیا جاسکتا کہ اے حضرات علماء کرام! غلط فہمیوں اور بدگمانیوں کے طلسم کو توڑ ڈالو، بخدا! تم ایک دوسرے کے دشمن نہیں، یہ خفیہ سازشی ہاتھوں کا کھیل ہے، بزدل دشمن نے رات کی تاریکی میں تم پر شبخون مارا ہے، اور تاریخ کے نہایت خطرناک موڑ پر انتقام لینے کے لئے تمہیں لڑا دیا گیا ہے، آؤ ایک دوسرے سے گلے مل جاؤ، کہا سنا سب معاف کردو۔ ”**الا تحبون ان یغفر اللہ لکم**“ سب مل کر باطل کے مقابلہ میں ڈٹ جاؤ، اور دشمن کے سارے منصوبے خاک میں ملادو، جو کرو باہمی مشورے سے کرو، سب کو ساتھ ملاؤ، ہر طبقے اور ہر جماعت کو اسلام کے پلیٹ فارم پر جمع کرو، مگر باطل کو ایک لحہ کے لئے گوارا نہ کرو، خواہ وہ سرخ ہو یا سفید، کالا ہو یا پیلا، غرض اپنی تمام قوتوں کو مجتمع کرکے اسلام کا بول بالا اور کفر کا منہ کالا کرو۔

”**ولا تنازعوا فتفشلوا وتذھب ریحکم، واصبروا ان اللہ مع الصابرین**“۔

ترجمہ:......”اور آپس میں جھگڑو نہیں، ورنہ بودے ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور صبر وضبط سے کام لو، اللہ تعالیٰ صبر والوں کے ساتھ ہے،،۔

اند کے پیش تو گفتم حالِ دل ونترسید
کہ آزردہ شوی، ورنہ سخن بسیاراست

دار العلوم دیوبند کا فیض!

مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر صاحب

جامعہ علومِ اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی کے رئیس وشیخ الحدیث، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے نائب امیرِ مرکزیہ اور وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے مرکزی نائب صدر حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر صاحب دامت برکاتہم نے مؤرخہ ۵/محرم الحرام ۱۴۳۲ھ مطابق ۱۲/دسمبر ۲۰۱۰ء بروز اتوار صبح گیارہ بج کر پچیس منٹ پر جامع مسجد (نیوٹاؤن) بنوری ٹاؤن میں دار العلوم دیوبند انڈیا کے مہتمم حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ کے سانحہ اِرتحال پر تعزیتی خطاب کیا، جسے دورۂ حدیث کے ایک طالب علم سیّد محمد زین العابدین نے ضبط کیا۔

الحمدلله رب العالمين، والصلاة والسلام على أشرف الأنبياء والمرسلين وعلى آله وصحبه أجمعين، أما بعد: كل من عليها فان ويبقى وجه ربك ذو الجلال والاكرام

عزیز طلبہ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ہمارا ماہانہ اِجتماع جو ہر مہینے ہوتا ہے اور جامعہ کے بڑے اساتذہ آپ سے خطاب کرتے ہیں، یہ اِجتماع بھی اسی کا حصہ ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ اِتفاق ایسا ہے کہ ہمارے اور پوری دُنیائے علم کے مرکز دار العلوم دیوبند کے مہتمم حضرت مولانا مرغوب الرحمٰنؒ اِنتقال کر گئے ہیں، اور اتنا تو آپ جانتے ہیں کہ پاکستان، ہندوستان، بنگلہ دیش اور افغانستان یا دُنیا کے اندر دُور دُور تک جو مدارسِ اسلامی قائم ہیں، وہ سب اسی دار العلوم دیوبند کی برکت ہے، اسی دار العلوم دیوبند کی شاخیں ہیں۔

جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ چھوٹے دائرے میں ہمارا یہ جامعہ علومِ اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن

مرکز ہے، اور صرف اس کی پندرہ شاخیں ہیں۔ اسی طرح دارالعلوم دیوبند مرکز ہے اور اس کی ہزاروں شاخیں ہیں جو پاکستان، ہندوستان، بنگلہ دیش، افغانستان، نیپال، سری لنکا، افریقہ اور یورپ میں پھیلی ہوئی ہیں۔ اگر دارالعلوم دیوبند اور اس کے بزرگ نہ ہوتے، یہ مرکز نہ ہوتا تو آج ہمارے یہ علاقے جہالت کے اندھیروں میں ڈوبے ہوئے ہوتے۔

اس لئے حضرت مولاناؒ کی وفات گویا ہم سب کا خسارہ ہے، ہم سب کا غم ہے، اللہ تعالیٰ سے دُعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس مرکز کو ایسا ہی باکمال اور بڑی شخصیت جو اس مرکز کے شایانِ شان ہو، مہیا فرمائیں۔ اور جو کچھ آپ نے پڑھا ہے، نیت کرلیں کہ اللہ تعالیٰ اس کا ثواب ان کی رُوح کو پہنچادیں۔

ان کے علاوہ اور ہمارے بہت سے متعلقین حضرات کی کچھ وفیات ہوئی ہیں، جن میں سے کچھ کے نام یہ ہیں: مولانا عبدالقیوم چترالیؒ کے بڑے بھائی، مولانا سلطان الدین کے والد وہ بھی ان دنوں فوت ہوئے ہیں، مولانا ارشاداللہ العباسی کے بڑے بھائی، مولانا قاری سلطان روم کے والد، دورۂ حدیث کے طالب علم ثناء اللہ کے والد، دورۂ حدیث کے طالب علم کی والدہ، دورۂ حدیث کے ایک طالب علم کے بڑے بھائی، مدرسہ تعلیم الاسلام گلشن عمر شاخ جامعہ میں درجہ خامسہ کے ایک طالب علم، مولانا شعیب ملا کی خوش دامن، درجہ سادسہ کے طالب علم کے والد۔

اس کے علاوہ اس موقع پر ہمیشہ ہم اپنے ان بزرگوں کو بھی یاد کرتے ہیں جن کی محنت و اخلاص اور برکات سے آج ہم فائدہ اُٹھا رہے ہیں، جنہوں نے یہ پودا لگایا، میری مراد حضرت مولانا سیّد محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ ہیں، جو ہمارے قریب آرام فرمارہے ہیں، انہوں نے اس اِدارے کی اِبتدا کی، اور اِبتدا اس وقت ہوئی جب یہ مسجد کا صرف ڈھانچہ کھڑا ہوا تھا، اندرونی حصے کا ابھی پلاسٹر بھی نہیں ہوا تھا، فرش بھی کھردرا تھا، دیواریں بھی کھردری تھیں، فرش پر کچھ چٹائیاں پڑی ہوئی تھیں تو اس سے اِبتدا ہوئی۔ لیکن نہایت ہی اِخلاص کے ساتھ بنیاد رکھی گئی، جس کا نتیجہ یہ ہوا، اللہ تعالیٰ نے اس کو اس درخت کی طرح بنادیا جس کی مثال قرآنِ کریم نے دی ہے: **"کشجرة طيّبة أصلها ثابت وفرعها في السماء"** آج اس دینی اور رُوحانی درخت کی شاخیں پوری دُنیا میں پھیلی ہوئی ہیں، اور آپ دُنیا کے کسی ملک میں چلے جائیں وہاں آپ کو یہاں کے فضلائے کرام کام کرتے ہوئے ملیں گے، کسی نے مدرسہ قائم کیا ہوا ہے اور مسلمان بچوں کو پڑھا رہے ہیں، اور کوئی مسجد میں اِمام وخطیب ہیں اور مسلمانوں کی دینی ورُوحانی تربیت فرما رہے ہیں، اور کچھ ایسے ہیں جو وہاں بھی دِین کے فتنوں کے خلاف کام کررہے ہیں۔

ہمارے ایک بہت ہی بزرگ اور ختم نبوت یورپ کے امیر مولانا منظور احمد الحسینیؒ جن سے چونکہ

بے تکلفی تھی، میں ان کو کہا کرتا تھا کہ یہ ختم نبوت کے دیوانے ہیں اور انگلینڈ، یورپ میں وہی ہماری مجلس تحفظ ختم نبوت کے امیر تھے، میں نے ان کو دیکھا کہ دن رات ان کے ذہن میں بس یہی بات سوار تھی کہ کسی طرح مسلمانوں کو اس فتنے سے محفوظ کیا جائے۔لندن میں جب ہماری سال میں ایک مرتبہ ختم نبوت کانفرنس ہوتی ہے، ہم وہاں جاتے ہیں تو وہ خود ایئرپورٹ پر لینے کے لئے آتے، ہمیں اپنے گھر لے جاتے اور واپسی پر ہمیں خود رخصت کرنے ایئرپورٹ تک آتے۔

غالباً آخری دفعہ جب آئے تو کہنے لگے کہ میں فلاں جگہ سے ہوکر آیا ہوں، ان کو پتا چلا کہ ایک مسلمان لڑکی اور ایک قادیانی لڑکا شادی کرنا چاہتے ہیں، اس کی وجہ وہاں کا مخلوط معاشرہ ہے، وہاں کالجوں میں، یونیورسٹیوں میں مخلوط تعلیم ہوتی ہے، وہ دونوں ایک جگہ پڑھ رہے تھے، دونوں میں دوستی ہوگئی، اور وہ آپس میں شادی کرنا چاہ رہے تھے۔مولاناؒ کو پتا چلا تو بے چین ہو گئے کہ ایک مسلمان لڑکی ایک کافر کے گھر میں جائے گی، مولانا اس کے والدین سے ملے، اس لڑکی سے ملے، اور مسلسل اس لڑکی کو قادیانیوں کے عقائد اور ان کے کفر کے بارے میں بتاتے رہے، تو کہنے لگے کہ میں ابھی اس کے ماں باپ سے مل کر آرہا ہوں، اور اپنی اس کوشش میں الحمدللہ! کامیاب ہوگیا ہوں۔

انگلینڈ کے علاوہ اس سے ملے ہوئے جو ملک ہیں، مولاناؒ کا ان ممالک میں آنا جانا کچھ مشکل نہیں تھا، فرانس ہے، سامنے اٹلی ہے، بلجیم ہے، یہ چھوٹے چھوٹے ملک ہیں، قادیانی وہاں بھی موجود ہوتے ہیں، تو وہاں جاتے، جلسے کرتے، لوگوں کو جمع کر کے سمجھاتے۔ظاہر بات ہے کہ جو قادیانی ہیں وہ بھی مسلمان عالم دین کی بات سننے کے لئے وہاں آجاتے ہیں، وہاں ایک بڑا مالدار خاندان تھا اور قادیانیوں کو بہت زیادہ چندہ بھی دیتا تھا۔مولاناؒ کا بیان سنا، مولاناؒ کے فارغ ہونے کے بعد اس شخص نے کہا کہ: اگر واقعی آپ کی باتیں سچی ہیں اور آپ اس کو ثابت کردیں تو میں مسلمان ہو جاؤں گا۔مولاناؒ بھی عجیب دیوانے تھے، جہاں بھی جاتے، کتابیں اپنے ساتھ لے جاتے تھے۔مولاناؒ نے کہا: کتابیں میرے پاس ہیں، آیئے میں آپ کو قادیانیوں کی کتابوں سے ان سب باتوں کو ثابت کردیتا ہوں۔اس شخص نے کہا کہ ہم اپنا آدمی بلائیں گے، آپ اس کے ساتھ مناظرہ کریں۔تو انہوں نے قادیانیوں کے ایک آدمی کو بلالیا، جس کے نام کے ساتھ ڈاکٹر کا دُم بھی لگا ہوا تھا۔مولاناؒ تو ماشاء اللہ اس موضوع پر بہت ہی متخصص تھے۔بہرحال تمام لوگ دیکھ رہے ہیں اور ان کا آپس میں مناظرہ ہورہا ہے، اور جس طرح ایک پہلوان دُوسرے کو پچھاڑتا ہے، اسی طرح مولاناؒ بھی اس قادیانی کو پچھاڑ رہے ہیں، اور وقفے وقفے سے اس کی نفسیات کو بھی رُسوا کرنے کے لئے کہتے:

''ارے بھئی! یہ کس کو لے آئے ہو، اس کو تو بولنا بھی نہیں آتا، کسی بڑے قادیانی مربی کو لے کر آتے، اس کو تو بولنا بھی نہیں آتا۔'' بہرحال قادیانی مناظر بڑا ذلیل ہوا اور اس آدمی نے کھڑے ہوکر اسی مجلس میں مسلمان ہونے کا اعلان کیا اور پورا خاندان مسلمان ہوگیا، الحمد للہ!

بہرحال دارالعلوم دیوبند اور اس کی شاخوں کی تربیت کا سارا سہرا ہمارے بزرگوں کو پہنچتا ہے، جنہوں نے اس کو قائم کیا، جن کے صدقے میں یہ سارے اِدارے اس دُنیا میں قائم ہوئے ہیں، اور یہ اس اِدارے کی حقانیت کی دلیل ہے، اب بھی آپ کو ایسے ایسے لوگ ملیں گے جنہوں نے اپنے آپ کو اس دین کے لئے وقف کر رکھا ہے۔

آپ بھی محنت کریں اور جب آپ علم لے کر یہاں سے نکلیں گے اور جس میدان میں بھی جائیں گے تو آپ بھی اِن شاء اللہ! ایسے ہی کارنامے انجام دیں گے۔

بات یہاں سے چلی تھی کہ جن بزرگوں نے ہمارے لئے یہ میدان کھولا ہے، ان کو اپنی دُعاؤں میں بھولنا نہیں چاہئے۔ حضرت بنوریؒ کے بعد مسلسل جو ہمارے بزرگ اور اساتذہ اس دُنیا سے گئے ہیں، ان سب حضرات کو بھی، اساتذۂ کرام کو بھی دُعاؤں میں یاد رکھیں، اِن شاء اللہ! ان سب کی رُوحیں خوش ہوں گی۔

یہ ثواب ایسا نہیں ہے کہ ہم پتھروں کو بھیج رہے ہیں، ہم ان اللہ کے بندوں کو بھیج رہے ہیں جن کے اعمال ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں، اور وہ اِس جہان سے اُس جہان میں چلے گئے، ختم نہیں ہوئے۔ ان کی رُوحیں وہاں موجود ہیں، ان کو پتا چلتا ہے کہ کس نے ہمارے لئے پڑھا، کس نے ہمارے لئے ایصالِ ثواب کیا، یہ ہمارا اِیمان ہے، اور بیسیوں بلکہ سینکڑوں احادیث آپ کو ایسی ملیں گی جو اِن چیزوں کو بیان کر رہی ہیں، اس لئے بھئی! جب آپ ان بزرگوں کو یاد کریں گے تو آپ کو بھی ان کی برکات ملیں گی۔

یہ بھی دُعا کریں کہ یہ جو محرم کے ایام ہیں، اللہ تعالیٰ خیر وعافیت سے گزار دے اور شرپسندوں کے شر سے اللہ تعالیٰ سب کو محفوظ رکھے، اور توہینِ رسالت کی جو آوازیں اُٹھ رہی ہیں یا جو بے دین طبقہ اس قانون کو ختم کرنے کی کوشش کر رہا ہے، اللہ تعالیٰ ان سب کو ناکام بنائے اور جو اس میدان میں کام کرنے والے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی مدد فرمائے، آمین!

عیدالاضحیٰ اور غیر ذمہ دارانہ باتیں

مفتی رفیق احمد، بالاکوٹی

بدھ ۲۵؍ذوالقعدہ ۱۴۳۱ھ بمطابق ۳؍نومبر ۲۰۱۰ء کو روزنامہ ''جنگ'' کے اِدارتی صفحے پر محترم محمد احمد سبزواری صاحب کا مضمون ''عیدالاضحیٰ اور ہماری ذمہ داریاں'' نظر سے گزرا۔

موصوف نے بچت اور خرچ کے دو الگ الگ فارمولوں سے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''ایک فارمولا یہ ہے کہ بچت کرو، تاکہ آمدنی اور خوش حالی میں اِضافہ ہو۔'' دُوسرا فارمولا یہ کہ: ''زیادہ سے زیادہ خرچ کرو، تاکہ معاشرے میں زَر کی گردش بڑھے اور لوگوں کو روزگار ملے، جو ان دونوں گروہوں میں شامل نہ ہوسکتا ہو، وہ ان کے لئے دُعا کرے۔''

موصوف نے ان فارمولوں کی فہمائش اور وضاحت کے لئے مختلف اعداد وشمار ذِکر فرمائے ہیں، اور گرانی وگراں فروشی کی جانب بھی توجہ دِلائی ہے۔ آخر میں بچت والے فارمولے کو وقت کی اہم ضرورت قرار دیتے ہوئے اِستفہامی انداز میں یہ ارشاد فرمایا ہے کہ: ''قربانی کے لئے کٹنے والے جانوروں کی تعداد کیسے گھٹائی جاسکتی ہے؟ تاکہ آئندہ عرصے میں اہلِ وطن گوشت اور دُودھ کی قلت وکمیابی کے خطرے سے محفوظ رہ سکیں'' اس معاشی تجویز میں چونکہ قربانی جیسے اسلامی شعار اور دِینی حکم حائل ہوتے ہیں، اس کا اِحساس کرتے ہوئے محترم سبزواری صاحب نے خادم حرمین شریفین کی طرف سے حاجیوں کو عطا کردہ اُردو ترجمۂ قرآن کی مدد سے سورۂ حج کی آیت: ۳۷ کا حوالہ بھی دیا ہے کہ:

"لن ینال اللہ لحومها ولا دمائها ولٰکن یناله التقوٰی منکم" (الحج:۳۷)

ترجمہ:...''اللہ تعالیٰ کو قربانیوں کے گوشت نہیں پہنچتے، نہ ان کے خون، بلکہ اسے تو تمہارے دِل کی پرہیزگاری پہنچتی ہے۔''

مذکورہ آیتِ مبارکہ کے تفسیری افادات سے گزرتے ہوئے یہ بھی نقل فرمایا ہے کہ تاہم یہ

واجب نہیں، سنتِ مؤکدہ ہے۔

آگے چل کر سنن ترمذی اور سنن ابن ماجہ کے حوالے سے یہ حدیث بھی نقل فرمائی ہے کہ:

''حدیث کے مطابق پورے گھر کے افراد کی طرف سے ایک جانور کی قربانی کافی ہے۔''

قرآن فہمی اور حدیث دانی کے اس پل سے گزر کر اپنے بچت والے فارمولے پر عمل پیرا ہونے کا مشورہ یوں دیتے ہیں:

''پاکستان کے مسلمان خصوصی طور پر سیاسی اور دیگر اُمور میں سعودیہ کی جانب دیکھتے ہیں، تو کیا قربانی کے معاملے میں اس کی پیروی کرنے پر تیار نہیں؟ خصوصاً ایسے وقت (میں) جبکہ ملک میں جانوروں کی قلّت ہو اور بے تحاشا قربانیوں سے مزید کمی ہو جائے اور ملک کو غذا کے لئے گوشت اور بچوں کو پرورِش کے لئے دُودھ نہ مل سکے۔''

محترم سبزواری صاحب کے اِستدلال اور طرزِ اِستدلال پر افسوس سے زیادہ حیرت ہو رہی ہے کہ طویل عرصے سے لکھنے پڑھنے والا آدمی اتنی کمزور اور بھدی بلکہ بے دینی کی بات کیسے کہہ رہا ہے؟ حالانکہ ان کے مقام اور منصب کا تقاضا تو یہ تھا کہ وہ یہ سوچتے کہ جس ترجمۂ قرآن مجید کا وہ حوالہ دے رہے ہیں، وہ کس کا ہے؟ خادمِ حرمین شریفین کا اس ترجمے میں کیا حصہ ہے؟ یہ ترجمہ وہاں سے کیوں اور کس طرح تقسیم ہوتا ہے؟ کیا اس ترجمے کے دیگر مندرجات بھی تمام اُردو خواں مسلمانوں کے لئے قابلِ عمل اور لائقِ اِعتبار ہیں یا نہیں؟ اور یہ بھی غور کرنا چاہئے تھا کہ سورۂ حج کی محولہ بالا آیتوں سے موصوف جو حکم ثابت کرنا چاہ رہے ہیں وہ ثابت بھی ہوتا ہے یا نہیں؟ اور یہ بھی سوچنا یا پوچھنا چاہئے تھا کہ اپنے فہم و اجتہاد کے لئے براہِ راست قرآن و سنت کو مطلوبہ شرائط کے بغیر تختۂ مشق بنانا جائز بھی ہے یا نہیں؟ اور یہ کہ جس حدیث سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ سب گھر والوں کی طرف سے ایک ہی قربانی کافی ہے، یہ حدیث پوری نقل ہوئی ہے یا ادھوری؟ اور اس کا پس منظر اور شانِ ورود بھی ہے یا نہیں؟ مزید برآں اس حدیث کا جو مطلب و مفہوم سمجھا اور بیان کیا گیا ہے، کیا وہی مطلب اور مفہوم ہے یا کچھ اور؟ کیونکہ یہ حدیث براہ راست ہمارے پاس نہیں آئی ہے، اور جن واسطوں سے یہ حدیث ہمیں پہنچی ہے، انہوں نے اس کا کیا معنی و مفہوم بتایا؟ دیگر جن حدیثوں کے ساتھ اس حدیث کے بعض جملے ٹکراتے ہیں، ان کے درمیان تطبیق یا توجیہ کی کیا صورت ہے؟ محدثین اور شارحین نے اس سلسلے میں کیا اِرشاد فرمایا ہے؟

متعلقہ مسئلے کے ان تمام پہلوؤں سے پہلوتہی کرتے ہوئے خادمِ حرمین شریفین کی اِتباع کا مشورہ دینا، مستقبل میں گوشت اور دُودھ کی قلّت کے خدشے کے پیشِ نظر صرف ایک قربانی کی رائے قائم کرنا، اور لوگوں کو اس کا مشورہ دینا، یہ سب کچھ بغیر علم کے فتاویٰ صادر کرنے کے مترادف ہے۔ اہلِ علم تو بہرحال جانتے ہیں، ہم اِختصار کے ساتھ سبزواری صاحب کی دلیل کا طالب علمانہ تجزیہ پیش کرتے ہیں:

پہلی بات

سبزواری صاحب! کچھ سالوں سے سعودی حکومت نے شاہ فہد مرحوم کے نام سے ایک ''چھاپہ خانہ'' بنایا ہے، جس میں دیگر اُمور کے علاوہ قرآنِ کریم کی طباعت و اِشاعت بطورِ خاص اس کا مشن ہے، دُنیا کی تمام مشہور زبانوں میں قرآن مجید کے جو تراجم ہوئے ہیں، وہ بھی اس مطبع میں چھاپے جاتے ہیں، اور حجاجِ کرام میں تقسیم کئے جاتے ہیں، جب یہ نیک سلسلہ شروع ہوا تو برصغیر کے اُردو خواں حاجیوں کے لئے انہوں نے جس مختصر اور جامع ترجمہ وتفسیر کا اِنتخاب کیا، وہ تحریکِ پاکستان کے علم بردار اور پرچم کشا علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کا ترجمہ وتفسیر تھا، کیونکہ برصغیر میں ان کی شخصیت اور اُردو تفاسیر میں ان کی تفسیر کے ہم پلہ آلِ سعود کی نظر میں اور کوئی تفسیر وترجمہ نہیں تھا، اوران کا اِنتخاب بھی بجا تھا، اور وہ تقسیم بھی ہوتی رہی۔ مگر چند سال قبل پاک وہند سے روزگار اور کمائی کے لئے سعود یہ گئے ہوئے کچھ عناصر پاک وہند میں جن کے ہم نوا اُنگلیوں پر گنے جاسکتے ہیں، انہوں نے نچلی سطح پر تعلق وتملق کے ذریعے تفسیر عثمانی کی جگہ ہندوستان کے کسی غیر معروف آدمی کا ترجمہ چھپوانے کی تگ ودو کی، وہ بھی ایسا ترجمہ جس کے خریدار پاک وہند میں انہیں میسر نہ تھے، وہاں سے سرکاری خرچ پر چھپوا کر اَز راہِ تملق خادمِ حرمین شریفین کا ''ہدیہ'' کہہ کر ہر حاجی کو دے دیا جاتا ہے۔

یہ ترجمہ نہ تو خادمِ حرمین شریفین نے کیا ہے، نہ ہی وہ اُردو نوشت وخواند پر قادر ہیں، اور نہ ہی اس کے مندرجات ان کے مسلک کے موافق ہیں، کیونکہ ان کا فقہی مسلک، فقہِ حنبلی ہے، اور فقہِ حنبلی کی رُو سے مذکورہ حدیث سے جو اِستدلال کیا گیا ہے وہ ناقص اور ادھورا ہے۔ صرف یہ کہہ سکتے ہیں کہ مذکورہ ترجمہ سعودی حکومت کی اجازت سے تقسیم ہوا ہے۔ اگر ہم سبزواری صاحب کے مشورے کے مطابق سعودی حکومت کی پیروی کریں تو اس کی ایک صورت یہ ہوسکتی ہے کہ خادمِ حرمین شریفین کی طرح ہم بھی مذکورہ ترجمہ چھپوا کر تقسیم کریں، اگر سبزواری صاحب یہی چاہتے ہیں تو ان کا اِستدلال دُرست ہے، لیکن اگر ہندوستان کے لکھے ہوئے اُردو ترجمے کو خادمِ حرمین شریفین کی کاوش اور رائے سمجھ کر اس کی پیروی کا حکم دے رہے ہیں تو انہیں خود سوچنا چاہئے کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں...؟

دُوسری بات

سبزواری صاحب نے خادمِ حرمین شریفین کے اُردو ترجمہ قرآن کی مدد سے سورۂ حج کی آیت ۳۶، ۳۷ کا حوالہ دیا ہے، جس میں یہ ارشاد ہوا ہے کہ ''اللہ تعالیٰ کو قربانیوں کا گوشت اور خون نہیں، بلکہ تمہارے دِلوں کی پرہیزگاری پہنچتی ہے۔'' اس آیت سے بظاہر اپنے بچت والے فارمولے پر قرآنی دلیل پیش فرمارہے ہیں، حالانکہ اگر قرآنِ کریم کا مطالعہ کیا جائے تو قربانی کے موضوع اور حکم کو

تقریباً ایک درجن آیات میں بیان فرمایا گیا ہے۔ تمام آیات کو سامنے رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قربانی کے حکم میں اللہ تعالیٰ کو دو چیزیں مطلوب ہیں، ایک قربانی کی رُوح اور دُوسری اس کی صورت۔ قربانی کی رُوح اِخلاص و جذبہ ایثار ہے، اور اس کی صورت اراقۃ الدم (خون بہانا) ہے۔ سورۂ حج والی آیات میں قربانی کی صرف رُوح کا بیان ہے، ''صورت'' کا بیان دُوسری آیات میں ہے۔ کسی حکم کے ایک حصے کو لینا اور دُوسرے کو فراموش کردینا، یہ پہلی قوموں کا طریقہ تو ہے، مسلمانوں کا نہیں۔

تیسری بات

سبزواری صاحب نے ترمذی و ابن ماجہ کے حوالے سے جو حدیث نقل فرمائی ہے، یہ اور اس مضمون کی دُوسری احادیث کا ایک تو پس منظر ہے، اور ایک اس کا پورا مضمون و مفہوم ہے۔ ان دونوں کے بغیر اس حدیث کا مطلب بیان کرنے کی کوشش کی گئی تو پھر وہی ہوگا جو قرآن مجید کے اُردو ترجمہ کرنے والوں سے صادر ہوا، اور سبزواری صاحب نے سمجھا اور آگے پہنچایا۔ پوری حدیث یوں ہے:

''عطاء بن یسار فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوایوب انصاریؓ سے پوچھا کہ حضور ﷺ کے زمانے میں آپ حضرات وصحابہ کرامؓ کے درمیان قربانی کا کیا معمول تھا؟ تو انہوں نے ارشاد فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں آدمی اپنی اور اپنے اہلِ خانہ کی طرف سے بکری ذبح کیا کرتا تھا، اور سب کھاتے کھلاتے تھے، یہاں تک کہ لوگوں میں تفاخرانہ مقابلہ چل پڑا، جیسا کہ آپ مشاہدہ کررہے ہیں۔''

یہ حدیث ابن ماجہ (ص:۲۲۷) اور ترمذی (ج:۱ ص:۱۸۲) نے نقل کی ہے۔ اس حدیث کا کیا معنی ہے؟ ایک تو یہ ہوسکتا ہے کہ ایک بکری پورے گھر والوں کی قربانی کے لئے کافی ہے، وہ سب اس میں شریک ہیں، جس طرح بڑے جانوروں میں ایک سے سات تک افراد شریک ہوتے ہیں۔ اگر یہی مطلب ہے تو پھر معاملہ بہت آسان ہے، کئی افراد مل کر ایک بکری خرید لیں اور سب اس میں شریک ہوجائیں، سب کی طرف سے قربانی ہوجائے گی۔

اس سے یہ بھی ثابت ہوسکتا ہے کہ متعدد افراد مل کر گائے کا ایک حصہ لے لیں اور سب قربانی کی سنت ادا کرلیں، اہلِ علم کے مطابق یہ ایسی توجیہ ہے کہ کوئی بھی مسلمان اس کا قائل نہیں ہے۔

اس حدیث کی یہ توجیہ بھی ممکن نہیں کہ تمام گھر والوں کی طرف سے صرف ایک قربانی کافی ہوسکتی ہے، کیونکہ دُوسری احادیث میں بڑی تاکید کے ساتھ یہ ارشادِ نبوی ہے کہ:

''جو مسلمان اِستطاعت کے باوجود قربانی نہ کرے، وہ قطعاً ہماری عیدگاہ میں نہ آئے۔''

ظاہر ہے کہ ہر گھر میں صاحبِ اِستطاعت مسلمان صرف سربراہِ خانہ نہیں ہوتا بلکہ دیگر اہلِ خانہ بھی ہوسکتے ہیں، تو اہلِ خانہ میں سے جو بھی صاحبِ اِستطاعت ہوگا، اس پر قربانی واجب ہوگی۔ محدثین

نے اس حدیث کو جس باب کے تحت ذکر فرمایا ہے، اس کا عنوان انہوں نے ''باب وجوب الاضحیۃ'' یعنی یہ باب قربانی کے واجب ہونے کے بیان میں ہے، رکھا ہے۔

اگر زیرِ بحث حدیث شریف کی ایک اور توجیہ سامنے رکھی جائے تو اس سے مسئلہ بآسانی سمجھ میں آسکتا ہے، اور ہر ہر حدیث کا موقع ومحل بھی متعین ہوجاتا ہے، وہ توجیہ یہ کہ ہر صاحبِ نصاب مسلمان پر مستقل طور پر قربانی کرنا واجب ہے، اور جہاں گھر کے صرف ایک فرد یا سربراہ صاحبِ نصاب ہوں وہ اکیلے ہی قربانی کرلیں، اور اس کے ثواب میں اپنے تمام اہلِ خانہ کو شریک کرلیں، اور نیت کرتے ہوئے یوں کہیں کہ اے اللہ! یہ میری قربانی ہے، اس کے ثواب میں میرے ان اہلِ خانہ کو بھی شریک فرما جو قربانی کی اِستطاعت نہیں رکھتے، یا ان پر قربانی واجب نہیں ہے۔ جیسا کہ حضور ﷺ نے اپنی طرف سے ایک قربانی فرمائی اور دُوسری قربانی اپنی اُمت کے ایسے افراد کی طرف سے فرمائی جو قربانی کی اِستطاعت نہ رکھتے ہوں، اس سے معلوم ہوا کہ جس قربانی میں متعدّد لوگوں کو شامل کیا جاسکتا ہے، وہ محض نفلی قربانی ہے، یا واجب قربانی کا اجر وثواب ہے، اور ایسے ثواب میں شرکت کے لئے صرف اہلِ خانہ نہیں، بلکہ پوری اُمت کی نیت کی جاسکتی ہے۔

زیرِ بحث حدیث کی یہی صحیح توجیہ ہے جو فقہائے کرام اور محدثین کے پیشِ نظر بھی رہی ہے، اس لئے اس حدیث کو جس عنوان کے تحت ذِکر کیا جاتا ہے وہ یوں ہے: **"باب التضحیة بالشاة وتشریک الغیر فی الثواب أو ایثاره له به"** (یہ باب بکری کی قربانی کرنے اور دُوسروں کو اس کے ثواب میں شریک کرنے یا اس قربانی کے ثواب کو اس (دُوسرے) کے لئے ایثار کرنے کے بیان میں ہے)، دیکھئے اعلاء السنن، ج:۱۷ ص:۲۰۸ طبع کراچی۔

زیرِ بحث حدیث شریف کے پس منظر کے بارے میں یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ اِبتدائے اسلام میں مسلمانوں کا جذبہ ایثار اِنتہا درجے کا تھا، مگر وسائل کم تھے، شدید حسرت کے باوجود نیکی کے کاموں میں خرچ کرنے کی اِستطاعت نہ تھی، ایسے لوگوں کی تسلی کے لئے یہ صورت ممکن تھی کہ سربراہِ اہلِ خانہ قربانی کرلے اور اہلِ خانہ کو بھی اس کے ثواب میں شریک کرلے۔ آخری ادوار میں جب فراوانی آئی تو خوب دِل کھول کر لوگوں نے قربانی کا فریضہ بجالایا۔ ایک ایک آدمی نے کئی کئی قربانیں کیں، خود حضور ﷺ نے ۶۳ اُونٹ اپنے دستِ اقدس سے قربان فرمائے، اور سو کی بقیہ تعداد خلیفہ چہارم حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے پوری کروائی۔ اس کے علاوہ حضراتِ صحابہ کرام علیہم الرضوان جن کی تعداد اس وقت تقریباً سوا لاکھ کے قریب تھی، انہوں نے کتنے جانور ذبح فرمائے ہوں گے؟ ان کے صحیح اعداد وشمار جمع کرنے والے معاشی ماہرین اس وقت شاید موجود نہیں تھے، ورنہ عرب جیسے بے آب وگیاہ صحراؤں میں زندگی گزارنے والوں کے لئے گوشت کی قلت اور شیرخواروں کے لئے دُودھ کی نایابی کے خدشات پیش

کر کے وہ ماہرین نہ جانے کہاں پہنچ چکے ہوتے...!

حدیثِ مذکور سے یہ بات بھی صاف طور پر معلوم ہوتی ہے کہ فراوانی کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مسلمان تفاخرانہ انداز میں ایک دُوسرے پر دُنیاوی برتری ظاہر کرنے اور دِکھلاوے کے لئے قربانی میں مقابلے شروع کر دیں، یہ مسلمانوں کا شیوہ نہیں، ایسی قربانیاں اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبولیت کا درجہ نہیں پاتیں، سورۂ حج کی آیت ۳۶، ۳۷ میں یہی مضمون بیان ہوا ہے۔ مذکورہ حدیث کا سورۂ حج والی آیتوں کے ساتھ یہی تعلق ہے۔

چوتھی بات

جناب سبزواری صاحب کا بنیادی اِرشاد کہ جانوروں کی قلت اور بے تحاشا قربانیوں سے مزید کمی ہوگی اور ملک کو غذا کے لئے گوشت اور بچوں کے لئے دُودھ نہ مل سکے گا، اس بات کی ایک مسلمان کی حیثیت سے کیا اہمیت ہے؟ وہ ہر مسلمان جانتا ہے

معیشت دانوں کے اعداد وشمار، خدشات واندیشے اور فاضل وخاسر بجٹ کے جداول کا نظام اپنی جگہ، آخر اللہ تعالیٰ کی صفتِ رزّاقیت بھی تو ایک عظیم بندوبست کا نام ہے، اس صفت کے تحت اللہ تعالیٰ کی لاتعداد مخلوقات کیسے رزق یاب ہو رہی ہیں، جبکہ دیگر مخلوقات کے ہاں نہ تو معاشی ماہرین ہیں، نہ وہ گزشتہ یا آئندہ کا کوئی بجٹ بنا کے رکھتے ہیں۔ آخر رزق کے حوالے سے بحیثیت مسلمان ہمارا کم از کم عقیدہ تو صحیح ہونا چاہئے، اور یہ ''انفاسِ قدسی'' تو ہر مسلمان تقریباً ہر جمعہ کے خطبے میں سنتا ہوگا کہ کوئی بھی نفس اس وقت تک ہرگز نہیں مرے گا جب تک وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ اپنا رزق پورا نہ کرلے۔

ایک مسلمان کی حیثیت سے ہمیں معلوم ہونا چاہئے کہ حلال وحرام کے درمیان ایک بنیادی فرق ہے، وہ ''برکت'' کا فرق ہے۔ برکت کا مفہوم یہ ہے کہ: کوئی چیز اپنی قلت کے باوجود افادیت ونفع بخشی میں زیادہ ثابت ہو۔ اس کی مثال یہی گائے، بکری، بھینس ہیں، اور دُوسری طرف کتیا، بلی وغیرہ ہیں۔ کتیا چھ چھ بچے، بسا اوقات سال میں دو مرتبہ دیتی ہے، مگر ان کا وجود ریوڑ کی صورت میں موجود ہونے کی بجائے کہیں کہیں ایک آدھ نظر آتا ہے، کیونکہ اس کی بہتات برکت سے عاری ہے، جبکہ گائے، بھینس ایک ایک بچہ سال میں ایک مرتبہ دیتی ہیں، اور ہر دِن لاکھوں ہزاروں کی تعداد میں کٹتے ہیں اور ہر جگہ دستیاب ہوتے ہیں، اور کسی کو قلت کی شکایت نہیں ہوتی۔ یہ اللہ تعالیٰ کے نظامِ رزّاقیت اور حلال کی برکت کا مظہر ہے۔ ہاں رزق میں برکت کو ختم کرنے والی چیز ''حرص'' ہے، ہمیں ''حرص'' سے اِجتناب کرنا چاہئے، اور ریاکاری سے اعمال کی رُوح ختم ہوجاتی ہے، اس لئے ریاکاری سے بھی اِحتراز کرنا چاہئے۔

پانچویں بات

آخری گزارش کے طور پر اِنتہائی معذرت کے ساتھ یہ عرض کرتا چلوں کہ میرے جیسے طالب علم کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ میں سبزواری صاحب جیسے معمر بزرگ صحافی کوصحافت کے بارے میں کوئی مشورہ دُوں کہ وہ کالم کیسے لکھیں؟ اِبتدا واِنتہا میں ربط رکھیں، ہر قاری ان کی عمر اور دِماغ کانہیں ہے، ان کے کالم میں حشو وزوائد کی بجائے معنویت ومقصدیت اور وہ بھی مرتب انداز میں ہونی چاہئے۔ مجھے یہ حق اس لئے نہیں کہ ان کی سنیارٹی اور شعبے سے وابستگی ان کے ہر ''طریق'' کو''صحیح'' کہنے کا حق جتلائے گی، .اور یہ بات معقول بھی ہے۔ کیونکہ سونے کے بارے میں سونار کی رائے کا اِعتبار ہوگا نہ کہ لوہار کی بات کا۔ میڈیکل کے بارے میں ڈاکٹر سے پوچھا جائے گا نہ کہ کمہار سے۔ انجینئرنگ کے بارے میں انجینئر ہی بتا سکتا ہے نہ کہ کسان وکاشت کار۔ اشیاء کی خاصیات کے بارے میں سائنس دان ہی رائے دے سکتا ہے نہ کہ چمار۔ اسی طرح ہم اپنے قلم کاروں، دانشوروں اور اس سے بڑھ کر میڈیا کے مالکان وذمہ داروں سے یہ گزارش کرنا دِینی فریضہ اور دِینی خیرخواہی سمجھتے ہیں کہ دین، دینی مسائل، شرعی اَحکام اور کتاب وسنت کے بارے میں عامیانہ گفتگو اور صحافیانہ تجزیات سے اِجتناب کیا جائے، اور اس سلسلے میں دین وشریعت کے ماہرین سے رُجوع کیا جائے، اور دین ودینی اَحکام کے بارے میں ماہرین، علمائے دین کی تفہیم، تعبیر اور تشریح کو قبول کیا جائے۔ عقل مندی اور ذمہ داری کا تقاضا یہی ہے۔

عیدالاضحیٰ کے حوالے سے شعوری یا لاشعوری طور پر جو خلافِ شرع غیرذمہ دارانہ باتیں لکھنے، پڑھنے اور چھپوانے کی صورت میں سرزد ہوئی ہیں، ان پر سب کو توبہ واستغفار کرنے کی ضرورت ہے۔ اس نوعیت کے مسائل میں صحافیانہ تجزیوں کی بجائے علماء کی طرف رُجوع کیا جائے، دین کے بارے میں دین کے ماہرین کی رائے ہی کو قبول کیا جائے۔ اس بارے میں بخل اور تنگ دِلی سے کام نہ لیا جائے، اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی وناصر ہو۔

قانون توہینِ رسالت کیا اور کب سے ہے؟

محمد اعجاز مصطفیٰ

قرآنِ کریم میں اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

”ان الذین یؤذون الله ورسوله لعنهم الله فی الدنیا والأخرة وأعدّ لهم عذابًا مهینًا“ (الأحزاب:۵۷)

ترجمہ:...”جولوگ ستاتے ہیں اللہ کو اور اس کے رسول کو، ان کو پھٹکارا اللہ نے دُنیا میں اور آخرت میں، اور تیار رکھا ہے ان کے واسطے ذِلت کا عذاب۔“

تفسیر ابن عباسؓ میں ہے: **”عذبهم الله (فی الدنیا) بالقتل .... (والآخرة) فی النار“** ...یعنی گستاخِ رسول کی سزا دُنیا میں قتل اور آخرت میں جہنم ہے...اس آیت کے ذیل میں حضرت علامہ قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتیؒ تفسیر مظہری میں مسئلے کا عنوان لگاکر لکھتے ہیں:

”رسول اللہ ﷺ کی شخصیت، دِین، نسب یا حضور کی کسی صفت پر طعن کرنا اور صراحتاً یا کنایتاً یا اِشارتاً یا بطورِ تعریض آپ پر نکتہ چینی کرنا اور عیب نکالنا کفر ہے، ایسے شخص پر دونوں جہان میں اللہ کی لعنت، دُنیوی سزا سے اس کو توبہ بھی نہیں بچاسکتی، ابن ہمام نے لکھا ہے: جو شخص رسول اللہ ﷺ سے دِل میں نفرت کرے، وہ مرتد ہوجائے گا۔ بُرا کہنا تو بدرجۂ اَولیٰ مرتد بنادیتا ہے، اگر اس کے بعد توبہ بھی کرلے تو قتل کی سزا ساقط نہیں ہوسکتی۔ اہل فقہ نے لکھا ہے کہ یہ قول علمائے کوفہ (اِمام ابوحنیفہؒ، صاحبینؒ وغیرہ) اور اِمام مالکؒ کا ہے۔ ایک روایت میں حضرت ابوبکرؓ کا بھی یہی فتویٰ منقول ہے۔

یہ سزا بہرحال دی جائے گی، خواہ وہ اپنے قصور کا اِقرار کرلے اور تائب ہوکر آئے یا منکرِ جرم ہو اور شہادت سے ثبوت ہوجائے۔ دُوسرے موجباتِ کفر کا اگر اِنکار کردے

خواہ شہادت ثبوت موجود ہو تو اِنکار معتبر ہوگا۔ علماء نے یہاں تک کہا ہے کہ نشے کی حالت میں بھی اگر رسول اللہ ﷺ کو بُرا کہنے کے جرم کا اِرتکاب کیا ہو تب بھی اس کو معاف نہیں کیا جائے گا، ضرور قتل کیا جائے گا۔ ہاں نشے کی حالت کے لئے یہ شرط ضروری ہے کہ اس نے خود اپنے اِختیار سے بغیر جبر و اکراہ کے ممنوع طریقے سے نشہ آور چیز کھائی، پی ہو۔ اگر اِرتکابِ منشی اپنے اِختیار سے نہ کیا ہو تو ایسا مدہوش آدمی پاگل کے حکم میں ہے (اس کو سزا نہیں دی جائے گی)۔

خطابی نے لکھا ہے، میں نہیں جانتا کہ ایسے شخص کے واجب القتل ہونے میں کسی نے اِختلاف کیا ہو، ہاں اگر اللہ کے معاملے میں کسی کا قتل واجب ہو جائے تو توبہ کرنے سے سزائے قتل ساقط ہو جاتی ہے، اسی طرح کوئی مست نشے میں مدہوش آدمی رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے کے علاوہ کوئی اور کلمۂ کفر زبان سے نکال دے تو خواہ اس نے باختیارِ خود بغیر اِکراہ کے ممنوع طریقے سے نشہ کیا ہو، پھر بھی اس کو مرتد نہیں قرار دیا جائے گا۔'' (تفسیر مظہری اُردو، ج:۹، ص:۴۲۹، ۴۳۰)

سنن ابی داؤد میں ہے:

۱:... "**عن علی ان یهودیة کانت تشتم النبی ﷺ وتقع فیه فخنقها رجل حتّٰی ماتت وأبطل رسول الله ﷺ دمها.**" (ابوداؤد ج:۲، ص:۲۵۱)

ترجمہ:...''حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ ایک یہودی عورت حضور ﷺ کو بُرا کہتی تھی، اور آپ ﷺ کی ہجو کیا کرتی تھی، اس بات پر ایک شخص نے اس عورت کا گلا گھونٹ دیا، یہاں تک کہ وہ مرگئی، حضور ﷺ نے اس عورت کا خون رائیگاں قرار دیا۔''

۲:... "**عن أبی برزةؓ قال: کنت عند أبی بکر فتغیظ علٰی رجل فاشتد علیه، فقلت: أتأذن لی یا خلیفة رسول الله! أضرب عنقه؟ قال: فأذهبت کلمتی غضبه، فقال: فدخل فأرسل الیّ، فقال: ما الذی قلت آنفًا؟ قلت: ائذن لی، أضرب عنقه! قال: کنت فاعلًا لو أمرتک؟ قلت: نعم! قال: لا والله! ما کانت لبشر بعد محمد صلی الله علیه وسلم.**" (ابوداؤد ج:۲، ص:۲۵۱)

ترجمہ:...''حضرت ابوبرزہ اسلمیؓ سے روایت ہے کہ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس بیٹھا ہوا تھا، وہ ایک شخص پر غصہ ہوئے اور سخت ترین غصہ ہوئے، میں نے کہا: اے رسول اللہ کے خلیفہ! آپ مجھے اِجازت عنایت فرمائیں کہ میں اس شخص کی گردن اُڑادوں! یہ بات کہنے سے ان کا غصہ جاتا رہا اور وہ کھڑے ہو کر اندر چلے

گئے، پھرانہوں نے مجھے بلوایا اور فرمایا: تم نے ابھی کیا بات کہی تھی؟ میں نے عرض کیا: مجھے آپ اجازت دیں تو میں اس شخص کی گردن اُڑا دوں۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا: تمہیں اگر میں حکم دیتا تو تم اس شخص کی گردن واقعی اُڑا دیتے؟ میں نے عرض کیا: بلاشبہ میں اس کی گردن اُڑا دیتا۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا: آنحضرت ﷺ کے بعد یہ مقام کسی کو حاصل نہیں ہے۔''

اِمام ابویوسفؒ ''کتاب الخراج'' میں لکھتے ہیں:

"وأیما رجل مسلم سب رسول الله ﷺ أو کذبه أو عابه أو تنقصه فقد کفر بالله وبانت منه زوجته، فان تاب وإلّا قتل." (کتاب الخراج ص:۱۹۷،۱۹۸)

ترجمہ:... ''جس مسلمان نے رسول اللہ ﷺ کی توہین کی، یا آپ ﷺ کی کسی بات کو جھٹلایا، یا آپ ﷺ میں کوئی عیب نکالا یا آپ ﷺ کی تنقیص کی، وہ کافر ومرتد ہوگیا اور اس کا نکاح ٹوٹ گیا، پھر اگر وہ اپنے اس کفر سے توبہ (کرکے اسلام ونکاح کی تجدید) کرلے تو ٹھیک، ورنہ اسے قتل کردیا جائے۔''

علامہ شامی نے "تنبیہ الولاۃ والحکام" میں علامہ تقی الدین سبکی کی کتاب "السیف المسلول علیٰ من سبّ الرسول ﷺ" سے نقل کرتے ہیں:

"قال الامام خاتمة المجتهدین ابو الحسن علی بن عبدالکافی السبکی رحمه الله فی کتابه السیف المسلول علیٰ من سب الرسول ﷺ، قال القاضی عیاض: أجمعت الأُمّة علیٰ قتل منتقصة من المسلمین وسابه، قال أبوبکر ابن المنذر: أجمع عوام أهل العلم علیٰ أن من سب النبی ﷺ القتل وممن قال ذٰلک مالک بن أنس واللیث وأحمد واسحاق وهو مذهب الشافعی، قال عیاض: وبمثله قال أبوحنیفة وأصحابه والثوری وأهل الکوفة والأوزاعی فی المسلم، وقال محمد بن سحنون: اجمع العلماء علیٰ أن شاتم النبی ﷺ والمنتقص له کافر والوعید جار علیه بعذاب الله تعالیٰ ومن شک فی کفره وعذابه کفر، وقال أبو سلیمان الخطابی: لا أعلم أحدًا من المسلمین اختلف فی وجوب قتله اذا کان مسلما." (رسائل ابن عابدین ج:۱۰ ص:۳۱۶)

ترجمہ:... ''اِمام خاتمۃ المجتہدین تقی الدین ابی الحسن علی بن عبدالکافی السبکیؒ اپنی کتاب ''السیف المسلول علیٰ من سب الرسول ﷺ'' میں لکھتے ہیں کہ قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ

اُمت کا اِجماع ہے کہ مسلمانوں میں سے جو شخص آنحضرت ﷺ کی شان میں تنقیص کرے اور سب وشتم کرے، وہ واجب القتل ہے۔ ابوبکر ابن المنذر فرماتے ہیں کہ تمام اہلِ علم کا اس پر اِجماع ہے کہ جو شخص حضور ﷺ کو سب وشتم کرے، اس کا قتل واجب ہے۔ اِمام مالک بن انسؒ، اِمام لیثؒ، اِمام احمدؒ اور اِمام اسحاقؒ اسی کے قائل ہیں، اور یہی مذہب ہے اِمام شافعیؒ کا۔ قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ اس طرح کا قول اِمام ابوحنیفہؒ اور ان کے اَصحاب سے اور اِمام ثوریؒ سے اور اِمام اوزاعیؒ سے شاتم رسول کے بارے میں منقول ہے۔ اِمام محمد بن سحنون فرماتے ہیں کہ علماء نے نبی کریم ﷺ کو سب وشتم کرنے والے اور آپ ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے والے کے کفر پر اِجماع کیا ہے، اور ایسے شخص پر عذابِ اِلٰہی کی وعید ہے، اور جو شخص ایسے موذی کے کفر وعذاب میں شک وشبہ کرے، وہ بھی کافر ہے۔ اِمام ابوسلیمان الخطابیؒ فرماتے ہیں کہ مجھے کوئی ایسا مسلمان معلوم نہیں جس نے ایسے شخص کے واجب القتل ہونے میں اِختلاف کیا ہو۔“

اور علامہ ابن عابدین شامیؒ لکھتے ہیں:

”فنفس المؤمن لا تشتفي من هٰذا الساب اللعين، الطاعن في سيّد الأوّلين والآخرين إلّا بقتله وصلبه بعد تعذيبه وضربه فان ذٰلک هو اللائق بحاله الزاجر لأمثاله عن سيء أفعاله.“ (رسائل ابن عابدین ج:۱ ص:۳۴۷)

ترجمہ:...”جو ملعون اور موذی آنحضرت ﷺ کی شانِ عالی میں گستاخی کرے اور سب وشتم کرے اس کے بارے میں مسلمانوں کے دِل ٹھنڈے نہیں ہوتے جب تک کہ اس خبیث کو سخت سزا کے بعد قتل نہ کیا جائے یا سولی نہ لٹکایا جائے، کیونکہ وہ اسی سزا کا مستحق ہے، اور یہ سزا دُوسروں کے لئے عبرت ہے۔“

خلاصہ یہ کہ قرآن وسنت اور اِجماعِ اُمت سے ثابت ہے کہ حضور ﷺ اور تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی گستاخی اور توہین وتنقیص اِرادۃً ہو، یا بلا اِرادہ موجبِ کفر اور موجبِ قتل ہے۔

متحدہ ہندوستان میں مسلمان، ہندو، سکھ، مجوسی اور پارسیوں کے علاوہ بہت سے مذاہب کے پیروکار رہتے تھے، ہر ایک کے اپنے اپنے معتقدات اور اپنے اپنے مقتدا اور راہنما تھے، راجپال جیسے ازلی بدبخت مسلم دُشمنی میں پیغمبرِ اِسلام کے بارے میں گستاخی اور آپ کی عزت وحرمت پر ناپاک حملے کرتے تھے، تو رَدِّعمل کے طور پر غازی علم الدین شہیدؒ جیسے سچے عاشقِ رسول انہیں کیفرِ کردار تک پہنچا دیتے تھے، ان حالات کو دیکھتے ہوئے انگریز کو ہر ایک کے مذہبی راہنماؤں کی عزت وناموس کے تحفظ کے لئے قانون وضع کرنا پڑا، چنانچہ ۱۹۲۷ء میں تعزیراتِ ہند میں دفعہ ۲۹۵-الف ایزاد کی گئی جو مجموعہ تعزیراتِ

پاکستان مطبوعہ یکم جولائی ۱۹۶۲ء میں درج ذیل الفاظ میں مذکور ہے:

''دفعہ ۲۹۵-الف جو کوئی شخص اِرادۃً اور اس عداوتی نیت سے کہ پاکستان کے شہریوں کی کسی جماعت کے مذہبی احساسات کو بھڑکائے بذریعہ الفاظ زبانی یا تحریری اَشکال محسوس العین، اس جماعت کے معتقداتِ مذہبی کی توہین کرے یا توہین کرنے کا اِقدام کرے، اس کو دونوں قسموں میں سے کسی قسم کی قید کی سزا دی جائے گی جس کی میعاد دو برس تک ہوسکتی ہے یا جرمانے کی سزا یا دونوں سزائیں دی جائیں گی۔''

چوہدری محمد شفیع باجوہ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

''یہ دفعہ ۱۹۲۷ء میں ایزاد کی گئی تاکہ اگر کسی مذہب کے بانی پر توہین آمیز حملہ کیا جائے تو ایسا کرنے والے کو سزا دی جاسکے۔ اس سے پہلے اس قسم کے اشخاص کے خلاف دفعہ ۱۵۳-الف اِستعمال ہوا کرتی تھی مگر ہائی کورٹ کے ایک فیصلے کی رُو سے یہ طریقہ غلط قرار پایا، تقریر کرنے والے یا مضمون لکھنے والے۔''

(شرح مجموعہ تعزیراتِ پاکستان ص:۱۲۱، ۱۲۲)

چونکہ توہینِ رسالت کے جرم کی یہ سزا بالکل ناکافی تھی، اس لئے جنرل محمد ضیاء الحق کے دورِ حکومت ۱۹۸۴ء میں تعزیراتِ پاکستان میں دفعہ ۲۹۵-سی کا اِضافہ کیا گیا اور اس کے ذریعے اس جرم کی سزا، سزائے موت یا عمر قید مع جرمانہ تجویز کی گئی، اس دفعہ کا متن حسبِ ذیل ہے:

۲۹۵-سی نبی کریم ﷺ کی شان میں اہانت آمیز کلمات کا اِستعمال

''جو شخص الفاظ کے ذریعے خواہ زبان سے ادا کئے جائیں یا تحریر میں لائے گئے ہوں، یا دِکھائی دینے والی تمثیل کے ذریعے یا بلاواسطہ یا بالواسطہ تہمت یا طعن یا چوٹ کے ذریعے نبی کریم حضرت محمد ﷺ کے مقدس نام کی بے حرمتی کرتا ہے، اس کو موت یا عمر قید کی سزا دی جائے گی اور وہ جرمانہ کا بھی مستوجب ہوگا۔''

جیسا کہ گزرا ہے کہ توہینِ رسالت کے جرم کی سزا قرآن وسنت اور اِجماعِ اُمت کی روشنی میں سزائے موت ہے، اور تعزیراتِ پاکستان کی دفعہ ۲۹۵-سی میں سزائے موت یا عمر قید تجویز کی گئی۔ اب بھی یہ دفعہ اسلامی قانون کے ہم آہنگ نہیں تھی، اس لئے وفاقی شرعی عدالت نے اکتوبر ۱۹۹۰ء میں اپنے ایک فیصلے میں صدرِ پاکستان کو ہدایت کی کہ ۳۰/اپریل ۱۹۹۱ء تک اس قانون کی اِصلاح کی جائے اور اس دفعہ میں ''یا عمر قید'' کے الفاظ حذف کرکے توہینِ رسالت کی سزا صرف موت مقرّر کردی جائے۔ اگر اس تاریخ تک اس قانون کی اِصلاح نہ کی تو اس تاریخ کے بعد یہ الفاظ خود بخود کالعدم قرار پائیں گے اور

صرف سزائے موت ملک کا قانون قرار پائے گا۔ حکومت نے روایتی سستی کا مظاہرہ کیا، اور وہ تاریخ گزر گئی۔ اس لئے وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کے مطابق دفعہ ۲۹۵-سی میں ''یا عمر قید'' کے الفاظ کالعدم قرار پائے اور قانون بن گیا کہ توہینِ رسالت کے جرم کی سزا صرف موت ہے۔ اس کے بعد قومی اسمبلی نے ۲/جون ۱۹۹۲ء کو متفقہ قرارداد منظور کی کہ توہینِ رسالت کے مرتکب کو سزائے موت دی جائے۔ خبر کا متن حسبِ ذیل ہے:

> ''اسلام آباد (نمائندہ جنگ) قومی اسمبلی نے منگل کے دن متفقہ قرارداد منظور کی کہ توہینِ رسالت کے مرتکب کو پھانسی کی سزا دی جائے اور اس ضمن میں مجریہ تعزیراتِ پاکستان کی دفعہ ۲۹۵ (ج) میں ترمیم کی جائے اور عمر قید کے لفظ حذف کر کے صرف پھانسی کا لفظ رہنے دیا جائے۔ یہ قرارداد آزاد رکن سردار محمد یوسف نے پیش کی اور کہا کہ ہر مسلمان کا عقیدہ ہے کہ توہینِ رسالت کے مرتکب شخص کو سزائے موت دی جائے، جبکہ قانون میں عمر قید اور پھانسی کی سزا متعین کی گئی ہے۔ مذہبی اُمور کے وفاقی وزیر مولانا عبدالستار خان نیازی نے بتایا کہ وزیر اعظم کی صدارت میں ایک اِجلاس ہوا تھا، جس میں تمام مکتبۂ فکر کے علماء نے شرکت کی تھی، اس اِجلاس میں طے پایا تھا کہ توہینِ رسالت کے مرتکب کو کم تر سزا نہیں دینی چاہئے، اس کی سزا موت ہونی چاہئے۔ وفاقی وزیر پارلیمانی اُمور چوہدری امیر حسین نے کہا کہ حکومت اس قرارداد کی مخالفت نہیں کرتی، حکومت اس ضمن میں پہلے بھی قانون سازی کی تیاری کر رہی ہے۔ انہوں نے بتایا کہ اس ضمن میں ایک ترمیمی بل سینیٹ میں پیش ہو چکا ہے۔'' (۳/جون ۱۹۹۲ء روزنامہ جنگ کراچی)

۸/جولائی ۱۹۹۲ء کو سینیٹ نے توہینِ رسالت کے مجرم کو سزائے موت کا ترمیمی بل منظور کیا:

> ''اسلام آباد (نمائندہ خصوصی) سینیٹ نے بدھ کو ایک بل کی منظوری دی جس کے تحت حضور نبی کریم ﷺ کے اسم مبارک کی بے حرمتی کی سزا موت ہوگی، فوجداری قانون میں تیسری ترمیم کا بل وفاقی شرعی عدالت کے حالیہ فیصلے کی روشنی میں منظور کیا گیا ہے۔ عدالت نے اپنے فیصلے میں کہا تھا کہ تعزیراتِ پاکستان دفعہ ۲۹۵-سی کے تحت حضور نبی کریم ﷺ کے اسم مبارک کی بے حرمتی پر عمر قید کی سزا اِسلامی اَحکامات کے منافی ہے۔ یہ بل جو قومی اسمبلی پہلے ہی منظور کر چکی ہے، سینیٹ میں وزیر قانون چوہدری عبدالغفور نے پیش کیا، انہوں نے بل کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ قانون میں شاتمِ رسول اور توہینِ رسالت کی سزا عمر قید یا سزائے موت ہے، وفاقی

شرعی عدالت کے فیصلے کی روشنی میں حضورِ اکرم ﷺ کے اسم مبارک کی توہین کی سزا عمر قید کی بجائے سزائے موت تجویز کی گئی ہے، کیونکہ عدالت کے خیال میں ایسے ملزم کو صرف سزائے موت ہی دی جانی چاہئے۔ سینیٹر راجہ ظفر الحق نے اس موقع پر کہا کہ قانون کے بارے میں اسٹینڈنگ کمیٹی نے تجویز کیا ہے کہ ضابطہ فوجداری کی دفعہ ۲۹۵ کے تحت آنے والے جرم کی مزید تشریح کے لئے اسلامی نظریاتی کونسل سے رہنمائی حاصل کی جائے۔ قائدِ ایوان محمد علی خان نے کہا کہ رسولِ اکرم ﷺ کی حرمت اور شانِ رسالت کے بارے میں دو آراء نہیں، اس لئے اس بل کو مؤخر کرنے کا کوئی جواز نہیں، اور اگر اس کی منظوری جلد نہ کی گئی تو یہ بھی ایک جرم ہوگا۔ انہوں نے کہا کہ توہینِ رسالت کا ملزم صرف سزائے موت کا ہی حق دار ہے۔ انہوں نے اِمام خمینی کی بھی مثال دی، انہوں نے شاتمِ رسول سلمان رشدی کے بارے میں فیصلہ نہیں بدلا۔ سینیٹر مولانا سمیع الحق، سینیٹر حافظ حسین احمد، میاں عالم علی لالیکا، سیّد اشتیاق اظہر نے بھی بل کی فوری منظوری پر زور دیا۔ سینیٹر راجہ ظفر الحق، عبدالرحیم مندوخیل اور جام کرارالدین نے توہینِ رسالت کی تشریح کے لئے اسلامی نظریاتی کونسل سے رُجوع کرنے کا مشورہ دیا۔ وزیرِ قانون نے یقین دِلایا کہ اس بارے میں اسلامی نظریاتی کونسل سے تشریح طلب کی جائے گی۔ ایوان نے متفقہ طور پر بل کی منظوری دے دی، ایوان نے کاپی رائٹ آرڈی نینس میں مزید ترمیم کے بل پر غور جمعرات تک مؤخر کردیا۔ میاں عالم علی لالیکا، ڈاکٹر بشارت اِلٰہی، سیّد اِقبال حیدر نے کہا کہ قانون سازی ایوان کے ذریعے ہونی چاہئے، اور آرڈی نینس کا اِجرا نہیں ہونا چاہئے، ایوان کا اِجلاس بعد میں جمعرات کی صبح ۱۰ بجے تک ملتوی ہوگیا۔''

گویا پاکستان میں وفاقی شرعی عدالت کی ہدایت، قومی اسمبلی کی متفقہ قرارداد، سینیٹ کا اس قانون کو من عن پاس کرنا اور پھر قومی اسمبلی میں بحث وتمحیص کے بعد توہینِ رسالت کے مجرم کو سزائے موت دینے کا فیصلہ کرنا، یہ سب وہ مراحل تھے جن سے قانونِ توہینِ رسالت گزرا ہے، اور اَب اس ملک کا یہ قانون بن چکا ہے۔

حیرت ہے کہ جمہوریت کا دعوے دار مغرب، جمہوری طریقے سے بننے والے اس قانون کو آج تک ہضم نہ کرسکا، اور اَوّل روز سے ہی اس قانون کو ختم کرانے اور معطل کرانے کی کوششوں میں ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ دین دُشمنوں اور ملک دُشمنوں سے ہمارے ملک وقوم کی حفاظت فرمائے اور سیاسی راہنماؤں کو اَغیار کے ہاتھوں کھلونا بننے سے محفوظ فرمائے، آمین!

پرویزی دھوکا اور حقیقۃ الامر:

علامہ محمد عبداللہؒ، احمد پور شرقیہ

کچھ عرصہ پہلے مجھے چوہدری غلام احمد پرویز کی کتاب ختم نبوت اور تحریک احمدیت دیکھنے کا اتفاق ہوا، اس شخص نے مقدمہ مرزائیت بہاول پور کا تمام کریڈٹ اپنے کھاتے میں جمع کرانے کی کوشش کی ہے، ان کے یہ الفاظ ملاحظہ ہوں:

> ”نبی کی جو تعریف میں نے کی تھی، اس پر مبنی بحث کے بعد جج صاحب نے اپنے فیصلہ میں کہا: قادیانی عقائد اختیار کرنے کی وجہ سے مدعا علیہ مرتد ہو چکا ہے، لہٰذا اس کے ساتھ مدعیہ کا نکاح تاریخ ارتدادِ مدعا علیہ سے فسخ ہو چکا ہے۔“
>
> (کتاب مذکور ص:۶ مطبوعہ ۱۹۹۸ء)

اس کے بعد مقتضائے طبع کے مطابق پرویز صاحب نے انکارِ حدیث کی طرف رُخ کرلیا اور حجیت حدیث کے خلاف لکھتے چلے گئے۔

یہ ہے شاطرانہ چال، ہم نہیں چاہتے تھے کہ اس مضمون میں انہیں اپنا موضوعِ سخن بنائیں، لیکن ایک عزیز کے مشورہ پر ہم پرویز صاحب کی اس بڑ کی حقیقت واضح کردینا چاہتے ہیں، اس سلسلہ میں درج ذیل حقائق غور طلب ہیں:

مقدمہ مرزائیت بہاول پور میں جج صاحب کوئی عالم دین نہیں تھے، وہ سمجھ دار اور دین کی سمجھ رکھنے والے تو بے شک تھے، مگر اصالتاً وہ ایل۔ ایل۔ بی (L.L.B) تھے اور ایک انگریزی خواندہ، خواہ وہ دینیات سے کتنی واقفیت رکھتا ہو، اس کے لئے علما کی علمی زبان سمجھنا، اس کے لئے کچھ آسان نہیں ہوتا، ہم دعویٰ سے کہہ سکتے ہیں کہ آج کتنے گریجویٹ ہیں، جو مولانا عبدالماجد دریابادی کی انگریزی تفسیر کو نہیں سمجھتے، کالجوں اور یونیورسٹیوں کے اسلامیات اور عربی کے پروفیسر تو ایک طرف رہے، کبار علما کو چھوڑ کر مدارس عربیہ کے اساتذہ کی اکثریت حضرت تھانویؒ کی تفسیر بیان القرآن کو سمجھنے سے قاصر ہے، تفسیر کی

عبارت تو مشکل ہے، چلئے حضرت تھانویؒ کے درج ذیل فتویٰ کا مطلب کوئی پروفیسر صاحب یا چھوٹے درجہ کے مدرس مولوی صاحب سمجھادیں۔

''سوال یہ ہے: عالمگیری وغیرہ میں جو زہد بارد کی مذمت آئی ہے اور زاہد بارد کو مردود الشہادہ قرار دیا گیا ہے، اس کے کیا معنی ہیں؟

الجواب: جس کی شریعت میں کسی درجہ کی مطلوبیت وارد نہ ہو، جیسے تعریف ایک حبہ حظہ کی۔'' (امدادالفتاویٰ ج:۵ ص:۲۶)

حضرت مولانا محمد انوری لائل پوریؒ (فیصل آبادی) اس مقدمہ کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں: جج صاحب کی آرزو تھی کہ بیان ایسا ہونا چاہئے، جس سے مجھے نتیجہ تک پہنچنا آسان ہوجائے۔ (حیاتِ انور، ص:۳۲۰) تو بات صرف اتنی ہے کہ جج صاحب کو پرویز صاحب کی ایک سلیس عبارت پسند آگئی، جو انہوں نے وضاحتاً نقل فرمادی، ورنہ تو اس اقتباس میں پرویز صاحب نے کوئی ایسی بات نہیں کہی، جو گواہانِ مدعیہ (علماکرام) نے نہ فرمائی ہو۔

۲:...... یہ بھی واقعہ ہے کہ فیصلہ میں پرویز صاحب کا نام تو صرف ایک ہی مرتبہ آیا ہے، ورنہ بات بات میں جج صاحب ان گواہانِ مدعیہ کے نام لے آئے ہیں، جو باقاعدہ عدالت میں بیان دے چکے تھے، پڑھے لکھے حضرات ذرا غور تو کریں، اگر کسی مقدمہ میں دعویٰ قانونی گواہوں کے بیانات سے ثابت نہیں ہوتا، تو کیا کسی بیرونی آدمی کی کسی بات کو فیصلہ کی بنیاد بنایا جاسکتا ہے؟ پرویز صاحب تو اس وقت Civil Service کے مزے لوٹ رہے تھے۔

پھر عدالت کو دربارِ معلیٰ کا حکم بھی یہی تھا کہ گو شیخ الجامعہ حضرت گھوٹویؒ کے بیان سے واضح ہوتا ہے کہ ختم نبوت کا منکر کافر ہے، لیکن ہم اس مقدمہ کا فیصلہ کرنے کے لئے شیخ الجامعہ صاحب کی رائے کو کافی نہیں سمجھتے، جب تک کہ ہندوستان کے بڑے بڑے علما اس رائے سے اتفاق نہ رکھتے ہوں، اس لئے مقدمہ مزید تحقیق کا محتاج ہے۔ (دیکھئے فیصلہ مقدمہ بہاول پور)۔

۳:...... یہ بات بھی غور طلب ہے، جیسا کہ پرویز صاحب نے خود لکھا ہے، ان کے اقتباس میں تو نبی کی تعریف آئی ہے۔ سوال تو یہ تھا کہ نبوت کا دروازہ بند کیوں ہوچکا ہے؟ ختم نبوت کا منکر مرتد کیوں ہوگا؟ اس کا کوئی جواب ان کی تحریر میں نہیں ہے۔

۴:...... بالفرض اگر پرویز صاحب کی تحریر میں ختم نبوت کے انکار کو موجب ارتداد بتایا بھی گیا ہوتا، تب بھی یہ کس نے کہا ہے کہ پرویز صاحب روزِ اول سے کفریہ عقائد کے مالک تھے، اس وقت تو وہ ابتدائی مراحل میں تھے، ان کی ضلالت بعد میں برگ و بار لائی، جس پر علما کو ان پر فتویٰ لگانا پڑا۔

۵:...... ان سب باتوں کے علاوہ خود فیصلہ کے ان الفاظ پر قارئین غور فرمائیں:

''مدعیہ کی طرف سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ مرزا صاحب کاذب مدعی نبوت ہیں، اس لئے مدعا علیہ بھی مرزا صاحب کو نبی تسلیم کرنے سے مرتد قرار دیا جائے گا۔ لہٰذا ابتدائی تنقیحات جو ۴ر نومبر ۱۹۲۶ء کو عدالت منصفی احمد پور شرقیہ سے وضع کی گئی تھیں، بحق مدعیہ ثابت قرار دے کر یہ قرار دیا جاتا ہے کہ مدعا علیہ قادیانی عقائد اختیار کرنے کی وجہ سے مرتد ہو چکا ہے، لہٰذا اس کے ساتھ مدعیہ کا نکاح تاریخ ارتداد مدعا علیہ سے فسخ ہو چکا ہے۔''

اوپر کی خط کشیدہ عبارت کو دیکھئے، اس میں تین باتوں کا ذکر ہے:

۱:.....مرزا غلام احمد نے نبوت کا دعویٰ کیا۔

۲:.....وہ اس دعویٰ میں جھوٹا ہے۔

۳:.....مدعا علیہ، مرزا کو نبی تسلیم کر چکا ہے، نتیجتاً وہ مرتد ہے۔

اب بتایئے پرویز صاحب کے اقتباس میں ان تین باتوں کا ذکر کہاں آیا ہے؟ مگر پرویز صاحب کے ہاتھ کی صفائی دیکھئے کہ وہ خط کشیدہ عبارت کو نقل نہیں کرتے، صرف اخیر کے دو جملے نقل کر دیئے ہیں۔

الغرض مقدمہ بہاول پور میں مدعیہ کی کامیابی کا سہرا پرویز صاحب اپنے گلے میں ڈالنا چاہتے ہیں، لیکن یہ تمام تر ان کی عیاری اور فریب کاری ہے، فیصلہ کی اصل بنیاد اوپر دربار معلّی کے دیئے گئے اقتباس کے مطابق حضرت بحر العلوم مولانا غلام محمد گھوٹویؒ کا بیان ہے اور جج صاحب مرحوم کے مطابق ان کا انشراح صدر حضرت امام العصرؒ کے مدلل بیان سے ہوا تھا۔ خیال آیا کہ یہاں پر گیدڑ اور شیرنی کا دیہاتی لطیفہ لکھ دیا جائے، لیکن اسے علمی ثقاہت کے خلاف سمجھ کر چھوڑ دیا ہے۔

امام العصرؒ اور علماء اہل حدیث:

جو فتنہ پرداز اور مفسدین فی الارض یعنی آج کل کے غیر مقلدین جن مسائل کو موضوع بنا کر بات بات پر احناف سے لڑتے جھگڑتے ہیں، ان کو چاہئے کہ راقم السطور کے یہ تین مضامین دیکھیں: تدوین فقہ اور سیدنا امام ابو حنیفہؒ، فقہ کے اختلافی مسائل اور علماء کی ذمہ داریاں، تحقیق مسئلہ رفع یدین (نئے انداز سے)۔ بلکہ صحیح معنی میں جو لوگ آج کل اپنے آپ کو اہلِ حدیث کہلواتے ہیں، ان کو تو خاطر میں لانا ہی علم کی توہین ہے، پرانے علماء مثلاً غزنوی حضرات، حضرت مولانا سید عبداللہ غزنویؒ، ان کے فرزند حضرت مولانا سید عبدالجبار غزنویؒ، پھر ان کے فرزند حضرت مولانا سید محمد داؤد غزنویؒ کے بارے میں ہم ذاتی طور پر جانتے ہیں کہ یہ حضرات، عامل بالحدیث تھے، لیکن آج کل کے غیر مقلدین کی طرح نہیں، ایسے ہی مُتی کے چند اور حضرات کے نام لئے جاسکتے ہیں، ان میں سے مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسریؒ اور مولانا ابراہیم میر سیالکوٹیؒ بھی ہیں۔

مولانا ثناء اللہ صاحبؒ غالباً حدیث میں مولانا عبدالحنان وزیر آبادیؒ اور پھر حضرت شیخ الہندؒ کے شاگرد تھے، معقولات میں غالباً مولانا احمد حسن کانپوریؒ کے شاگرد تھے، بہت بڑے مناظر تھے، مرزا قادیانی سے ان کا مباہلہ ہوا، مرزا جی کا اثر معکوس ہوا کہ وہ تو ۱۹۰۸ء میں مرگیا، حضرت مولانا ثناء اللہ صاحبؒ چالیس سال بعد میں زندہ رہے۔ ۱۹۴۸ء میں تقسیم ہند کے بعد پاکستان میں آکر وفات پائی، مولانا مرحوم، امام العصرؒ کے استاد بھائی تھے، وہ ایک اخبار اہلحدیث کے نام سے نکالتے تھے، امام العصرؒ کی وفات پر ایک طویل مقالہ لکھ کر انہوں نے اپنے رنج والم کا اظہار کیا، حضرتؒ کے علمی کمالات کا اعتراف کیا اور یہاں تک لکھا کہ بے نظیر عالم دین رخصت ہوگیا۔

مولانا ابراہیم میر سیالکوٹیؒ بھی زبردست مناظر اور انصاف پسند عامل بالحدیث تھے، ۱۹۲۹ء میں ان کا مناظرہ مولوی عبداللہ چکڑالوی سے ہوا تھا، یہ مولوی عبداللہ کبھی اہل حدیث بنا ہوا تھا، چینیاں والی مسجد لاہور کا خطیب رہ چکا تھا، مگر "یولد مؤمنا ویموت کافرا" کا مصداق بنا، بعد میں منکر حدیث ہوگیا تھا، اسی موضوع پر حافظ ابراہیم صاحب سیالکوٹی سے اس کا مناظرہ ہوا تھا، بہت ذلیل ہوا تھا، مولانا ابراہیم صاحبؒ کو فتح مبین حاصل ہوئی۔

مولانا حافظ ابراہیم میر سیالکوٹی نے قادیان کی پہلی کانفرنس کے موقع پر فرمایا تھا: اگر کسی کو مجسم علم دیکھنا ہو تو وہ علامہ انور شاہؒ کو دیکھ لے۔" (دیکھئے حیاتِ انور، مضمون حضرت مولانا محمد انوریؒ ص:۳۳۷)۔

یہاں قارئین کو یہ بھی بتاتا چلوں کہ تاریخ اہل حدیث وغیرہ میں انہی مولانا ابراہیمؒ کا ایک عجیب عبرت ناک واقعہ لکھا ہے کہ غالباً حضرت امام ابوحنیفہؒ پر جوار جا کا الزام لگایا جاتا ہے، انہوں نے اس سلسلہ میں المماری سے ایک کتاب کو نکالنا چاہا، تو نصف النہار کے وقت ان کے سامنے اندھیرا چھا گیا، انہوں نے فوراً توبہ واستغفار کیا، تو ان کی نگاہ بحال ہوگئی۔ (مختصراً) بہرحال "ظاہریہ" کے اکابر علماء حضرت امام العصرؒ کے بڑے قدردان اور ان کے کمالاتِ علمی کے معترف تھے۔

امام العصرؒ کی عربی دانی

ہمارے ہاں ایک طبقہ ایسا بھی پایا جاتا ہے، کبھی اللہ نے توفیق دی تو اس سلسلہ میں تفصیل سے لکھوں گا، سردست امام العصرؒ کی عربی دانی کے بارے میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں، دیگر علوم نقلیہ عقلیہ میں مہارت تامہ کے علاوہ حضرت عربی ادب میں بھی یکتا تھے، حضرتؒ کے تلمیذ رشید حضرت مولانا محمد انوری لائل پوریؒ (بعد کے نام کے لحاظ سے فیصل آبادی) اپنے ایک مضمون میں تحریر فرماتے ہیں:

> "مصر کے علامہ علی، جو صحیحین (بخاری ومسلم) کے تقریباً حافظ تھے اور مسلکاً حنبلی، ہندوستان میں تشریف لائے، دارالعلوم دیوبند بھی پہنچے، یہاں مہتمم صاحب نے ان سے بڑا اچھا برتاؤ کیا، علامہ عرب طلبہ سے مل کر خوش ہوئے، علامہ نے ان کی مہمان نوازی کی

تعریف کی، ایک یمنی طالب علم نے ان سے کہا: صرف خوش اخلاق اور متبع سنت ہی نہیں، علمی لحاظ سے بھی بڑا اونچا پایہ رکھتے ہیں۔ علامہ نے کہا: نہیں! یہ تو میں ماننے کے لئے تیار نہیں ہوں، یہ عجمی بے چارے کیا علم رکھتے ہوں گے؟ بعد نماز عصر علامہ چند عرب طلبہ کے ہمراہ سیر کے لئے نکلے، ایک طالب علم نے علامہ کو القاسم کا وہ پرچہ دکھایا، جس میں امام العصر کا لکھا ہوا چالیس ابیات پر مشتمل حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوری قدس سرہٗ کا مرثیہ درج تھا، علامہ نے دیکھا تو پکار اٹھے: ''انی تبت من اعتقادی!'' اس سے تو ادبِ جاہلیت کی مہک آرہی ہے، اگلے روز علامہ، امام العصرؒ کے درس بخاری میں شامل ہوئے، سوال جواب کا سلسلہ جاری رہا، وہاں سے اٹھے تو فرمانے لگے: میں عرب ممالک میں پھرا ہوں، خود مصر میں برسوں حدیث کا استاد رہا ہوں، میں نے شام سے لے کر ہندوستان تک اس شان کا کوئی محدث اور عالم نہیں دیکھا، ان کے علمی استحضار، حافظہ، ذہانت اور وسعتِ نظر سے میں دنگ رہ گیا ہوں۔ تین ہفتے وہاں قیام کیا اور حضرتؒ سے حدیث کی سند لے کر واپس گئے۔'' (حیات انور ص:۳۱۵،۳۱۶ ملخصاً)

یہ واقعہ آج سے تقریباً اسی نوے سال پہلے کا ہے، اس وقت بلادِ اسلامیہ کا حال یہ نہیں تھا، جو آج ہے، علماً محدثین کی یہ شان تھی کہ صحیح بخاری اور ایسی دیگر کتبِ حدیث کے حفظ کا چرچا تھا، آج تو وہاں بھی یہ بات ختم ہو چکی ہے۔ اب سنئے درج ذیل واقعہ:

برصغیر میں انگریزی حکومت کی سازش سے ہندو قوم جو صدیوں سے مسلمانوں کے خلاف ادھار کھائے بیٹھی تھی، میدان میں نکل آئی، کبھی کسی رنگ میں، کبھی کسی روپ میں مسلمانوں کو زک دینے کے لئے ہر ممکن جدوجہد کی، بیسویں صدی کی تیسری دہائی میں شدھی کی تحریک اٹھی، جس کا مقصد مسلمانوں کو مرتد بنانا تھا، اس تحریک نے وبائی صورت اختیار کی، ملتِ اسلامیہ کے زعماً کو فکر لاحق ہوئی کہ اس تحریک کا دفاع کیا جائے، حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہٗ اور حضرت کے خلفاً نے مختلف علاقوں کے دورے کئے، علمائے دیوبند اور وہاں کے طلبہ بھی باہر نکلے، علماً نے آپس کے اختلافات کو بالائے طاق رکھ کر اپنی سرگرمیوں سے مقابلہ کیا، دیوبندی، بریلوی، اہل حدیث، شیعہ سب ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو گئے، مرزائی بھی پانچویں سوار کی حیثیت سے ان میں گھس گئے، جب یہ صورتحال پیش آئی تو دارالعلوم دیوبند کے مہتمم حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ جو حضرت علامہ شبیر احمدؒ کے بڑے بھائی، نہایت زیرک، دوراندیش اور مدبر تھے، نے سوچا کہ مرزائیوں کی شمولیت تو کل کو پریشانی کا باعث بنے گی، یہ کہیں گے کہ فلاں موقع پر چوٹی کے مسلمان علماً نے ہمیں اپنے ساتھ ملایا تھا، اور ہمیں مسلمان قرار دیا تھا، اب حضرت مہتمم صاحبؒ نے اکابر علماً کو اس طرف توجہ دلائی تو وہ حضرات بھی فکرمند ہوئے، تھوڑے دنوں میں مشترکہ جماعت کا

اجلاس سرمولوی رحیم بخش خان صاحبؒ (راجپوت) جو کبھی ریاست بہاول پور میں ریزیڈنٹ Resident رہ چکے تھے، کی صدارت میں ہوا، سرموصوف نہایت سلجھے ہوئے اور بڑے ذی حیثیت آدمی تھے، غالباً حضرت اقدس مولانا گنگوہیؒ سے بیعت تھے۔

اجلاس میں مرزائیوں کے مسلمان یا کافر ہونے کا سوال اٹھایا گیا، اس پر مرزائی سیخ پا ہو گئے، زین العابدین نامی ایک شخص جو مولوی تھا، بغداد میں رہ چکا تھا، بڑا تیز طرار تھا، اسے اپنی عربی دانی پر بڑا ناز تھا، کروفر دکھانے لگا، اس نے کہا: بس یہی تو بات ہے کہ مولویوں کو کچھ آتا تو ہے نہیں، آپس کے اختلافات میں پڑکر اسلام کو نقصان پہنچا رہے ہیں.....ان کا تو یہ حال ہے کہ عربی بولنا نہیں آتا.....بحث تمحیص کے بعد طے پایا کہ آیئے، پہلے اسی پر بحث مباحثہ ہو جائے (یا مناظرہ کہہ لیں) کہ مرزائی مسلمان ہیں یا نہیں؟ زین العابدین بولا: ٹھیک ہے! مناظرہ ہو اور میں ایک شرط لگاتا ہوں کہ عربی زبان میں ہونا چاہئے، اس پر حضرت امام العصرؒ کھڑے ہونے لگے، مگر مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ نے اس کو پکا کرنے کے لئے فرمایا: چونکہ مقصد تمام ممبران کو مطلع کرنا ہے اور ممبران میں بڑی تعداد میں وہ لوگ بھی شامل ہیں، جو عربی نہیں سمجھ سکتے، اس لئے مناظرہ اردو زبان میں ہونا چاہئے۔ اب تو زین العابدین کو اور زیادہ موقع مل گیا، وہ اپنی بات پر اصرار کرنے لگا کہ مناظرہ عربی ہی میں ہونا چاہئے۔ اب حضرت امام العصرؒ کھڑے ہوئے اور ارشاد فرمایا: قادیانی نے یہ شرط لگائی ہے کہ مناظرہ عربی زبان میں ہو، چلئے، ہم اس شرط کو منظور کرتے ہیں، مگر جس طرح ایک شرط انہوں نے لگائی ہے، ہمیں بھی حق پہنچتا ہے کہ ہم بھی ایک شرط لگائیں، میں کہتا ہوں کہ مناظرہ عربی زبان میں ہو اور اشعار میں ہو، نثر میں نہیں، یہ کہہ کر حضرتؒ نے چند اشعار زیر بحث موضوع سے متعلق فی البدیہہ پڑھ دیئے، اب تو ''زینن'' بے چارہ بغلیں جھانکتا رہ گیا، اس کی تر کی تمام ہوگئی اور وہ **فبهت الذی کفر** کا مصداق بن کر رہ گیا۔

باپ کی میراث اولاد میں تقسیم ہوتی ہے، اہل علم کو معلوم ہے کہ امام العصرؒ کے تلامذہ میں بھی عربی دانی کا وہی رنگ نظر آتا ہے، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی، حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع، حضرت مولانا سید محمد بدر عالم، حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری، حضرت قاری طیب صاحب، حضرت مولانا شمس الحق افغانی وغیرہم عربی زبان کے بہترین ادیب تھے، صرف نثر نگار ہی نہیں، بلند پایہ شعراء بھی، بولنے اور لکھنے دونوں میں یکساں مہارت کے مالک، رحمہم اللہ تعالی واعلیٰ درجاتہم!

امام العصرؒ اور شعائر اللہ کا احترام

لفظ شعائر کی تشریح مطلوب ہو تو طالب علم، مفرداتِ راغب اور لغات القرآن حضرت مولانا عبدالرشید نعمانیؒ کو دیکھیں، حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ نے بھی اپنی تفسیر میں اس پر خوب لکھا ہے، امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے حجۃ اللہ البالغہ ص: ۶۹، ۷۰ میں تعظیم شعائر اللہ پر بہت کچھ لکھا ہے، ہم

اس وقت دو آیتوں کی طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں، پڑھ کر دیکھئے اور سوچئے کہ اللہ کے دین کی نشانیوں اور یادگاروں کے بارے میں کیا حکم دیا گیا ہے؟:

ا:...... ”وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمَاتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ.“ (الحج:۳۰)

ترجمہ:...... ”اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے محترم احکام کی وقعت کرے گا سو یہ اس کے حق میں اس کے رب کے نزدیک بہتر ہے۔“

۲:...... ”وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ.“ (الحج:۳۲)

ترجمہ:...... ”اور جو شخص دین خداوندی کے ان یادگاروں کا پورا لحاظ رکھے گا تو یہ ان کا پورا لحاظ رکھنا دل کے ساتھ ڈرنے سے ہوتا ہے۔“

اب سنئے کہ حضرت امام العصرؒ میں حرمات اللہ اور شعائر اللہ کے ادب و احترام کا جذبہ کس حد تک پایا جاتا تھا۔

ا:......حضرتؒ نے اثباتِ باری تعالیٰ پر ایک کتاب لکھی، مگر انہوں نے اس کا نام تجویز فرمایا: ”ضرب الخاتم علیٰ حدوث العالم“۔ حضرتؒ نے ایک زعیم ملت کے سامنے فرمایا کہ: اصل موضوع تو اثباتِ باری تعالیٰ تھا، لیکن اس عنوان میں ایک قسم کی شناعت (یعنی قلتِ ادب) تھی، اس لئے حدوثِ عالم کا عنوان تجویز کیا، دونوں کا مطلب ایک نکلتا ہے۔ (حیاتِ انور ص:۱۹۲، مضمون حضرت مولانا بنوریؒ)

حضرت بنوریؒ یہ بھی لکھتے ہیں کہ: ”ترکی کے سابق شیخ الاسلام مصطفیٰ صبری جو ترکی میں کمال پاشا کے انقلاب کے بعد، قاہرہ میں جلا وطنی کی زندگی گزار رہے تھے اور وہ خود بھی دہریت کے خلاف کئی کتابیں لکھ چکے تھے، جلیل القدر عالم تھے، جب میں نے ۱۹۲۸ء میں امام العصرؒ کا یہ رسالہ انہیں دکھایا تو دیکھ کر حیران رہ گئے، فرمایا کہ: میں نہیں سمجھتا تھا کہ کلامی دقائق کو اس انداز سے سمجھنے والا اب بھی کوئی دنیا میں زندہ ہے، اس عنوان پر جتنا کچھ اب تک لکھا جا چکا ہے میں اس پر ان اوراق کو ترجیح دیتا ہوں، یہ تحسین وستائش تو اپنی جگہ رہی، غور طلب بات یہ ہے کہ امام العصرؒ نے تأدب کو کس حد تک ملحوظ رکھا۔

آج وطن عزیز میں بے ادبوں کے کئی گروہ کام کر رہے ہیں، بافسوس کہنا پڑتا ہے کہ تعظیم شعائر اللہ سے بالکل کورے اور عاری ہیں، کیا سمجھا جائے کہ واقعی وہ تقوی القلوب کے مالک ہیں یا ان کے دل جذباتِ احترام سے ناآشنا ہیں؟

۲:......حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں:

”ادبِ علم کا یہ حال تھا کہ خود ہی فرمایا کہ میں مطالعہ میں کتاب کو اپنا تابع کبھی نہیں کرتا، بلکہ ہمیشہ خود کتاب کے تابع ہو کر مطالعہ کرتا ہوں۔“ (حیاتِ انور ص:۲۳۲)

دیوبند کے علماء میں سے ایک بزرگ سے زبانی میں نے سنا تھا کہ حضرتؒ کتاب لے کر بیٹھتے، تو جیسا

کہ ہندوستان میں پہلے رواج تھا کہ کتابوں پر حواشی اوپر نیچے، دائیں بائیں سمتیں بدل بدل کر چھاپے جاتے تھے، تو عبارت کو صحیح طور پر پڑھنے کے لئے حضرت کتاب کو نہیں بدلتے تھے، خود بدل کر بیٹھ جاتے تھے، آج تو مدارس میں قرآن پاک کا بھی ادب پوری طرح نہیں کیا جاتا، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے:

"فِیْ صُحُفٍ مُّکَرَّمَۃٍ. مَّرْفُوْعَۃٍ مُّطَھَّرَۃٍ. بِاَیْدِیْ سَفَرَۃٍ. کِرَامٍ بَرَرَۃٍ." (عبس:۱۳تا۱۶)

ترجمہ:......"وہ ایسے صحیفوں میں ہے جو مکرم ہیں، رفیع المکان ہیں، مقدس ہیں، جو ایسے لکھنے والوں کے ہاتھوں میں ہیں کہ وہ مکرم نیک ہیں۔"

۳:......زندگی میں ہمیں جن علمائے حق سے واسطہ پڑا وہ حضرات ایک دوسرے کا بڑا احترام کرتے تھے، یہی سنت ہے حضرات انبیاء علیہم السلام کی، یہی طریقہ رہا حضرات صحابہ کرامؓ کا اور یہی روش رہی ائمہ دین اور بزرگانِ امت کی، چند نمونے ملاحظہ ہوں:

۴......تعلیقات بخاری میں ہے کہ: سیدنا فاروق اعظمؓ کہا کرتے تھے: "**ابوبکر سیدنا و اعتق سیدنا یعنی بلالا**" (صحیح بخاری ص:۵۳۰) (ابوبکر ہمارے سردار ہیں، اور انہوں نے ہمارے سردار حضرت بلال کو آزاد کیا)۔ ایک قریشی سردار جو اسلام سے پہلے بھی بڑی قدر و منزلت کے مالک تھے اور بعد میں بھی بڑی شان کے مالک، جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رہے تو وہ وزیر با تدبیر رہے، سیدنا صدیق اکبرؓ کے دو سالہ خلافت میں گویا وزیر اعظم رہے، اس کے بعد امیر المؤمنین بنے اور ۲۴ لاکھ مربع میل سرزمین کے فرماں روا رہے، وہ ایک حبشی نژاد غلام کے بارے میں فرمائیں: سیدنا! کچھ آیا سمجھ میں...؟

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ صحابہ میں ایک بلند پایہ، بارگاہِ نبوت کے نہایت مقرب صحابی ہیں، وہ صحابہؓ کی جماعت کے بارے میں فرماتے ہیں:

"اُولٰئِکَ اَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ. کَانُوْا اَفْضَلُ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ اَبَرُّ قُلُوْبًا، وَاَعْمَقُھَا عِلْمًا، وَاَقَلُّھَا تَکَلُّفًا، اِخْتَارَھُمُ اللہُ لِصُحْبَۃِ نَبِیِّہٖ وَلِاِقَامَۃِ دِیْنِہٖ....الخ." (مشکوٰۃ شریف ص:۳۲)

ترجمہ:......"وہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ہیں جو اس امت کے بہترین لوگ تھے، دلوں کے اعتبار سے انتہاء درجہ کے نیک، علم کے اعتبار سے انتہائی کامل، اور بہت کم تکلف کرنے والے تھے، ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی رفاقت اور اپنے دین کو قائم کرنے کے لئے منتخب کیا تھا۔"

(جاری ہے)

موہنِ رسول کی سزائے قتل پر

ائمہ اربعہ اور علماء امت کا اجماع

جناب ابن عمر فاروقی

فقہ اسلامی میں ''سب وشتم'' سے کیا مراد ہے؟

عربی لغت میں ''سب'' کا معنی یہ ہے کہ ''کسی چیز کے بارے میں ایسے کلمات کہے جائیں جن سے اس چیز میں عیب ونقص پیدا ہو سکے۔ (مرقاۃ) ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: ''جو کلام عرف میں نقص، عیب، طعن کے لیے بولی جاتی ہو، وہ 'سب وشتم' ہے''۔ (الصارم المسلول، ص۵۳۴)

معاملہ جب رحمتِ عالم ﷺ کی شان اور ذاتِ مقدسہ کا ہو تو احتیاط وادب کا لازم ہونا کئی گنا بڑھ جاتا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام اور نبوت سے اختلاف بھی اباحتِ دم کے زمرے میں آتا ہے، چہ جائیکہ آپ ﷺ کی مخالفت اور مذمت کی جائے۔ علامہ ابنِ تیمیہؒ اس سلسلہ میں یوں رقم طراز ہیں: ''اس کی مزید توضیح یہ ہے کہ اس کے محض آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے سے اعراض کرنے کی وجہ سے (جبکہ وہ معاہد نہ ہو) اس کا خون مباح ہو جاتا ہے اور ان حقوقِ واجبہ سے روگردانی کرنے کی بنا پر اس کو سزا دینا روا ہو جاتا ہے۔ یہ صورتحال محض اسے اس لیے پیش آتی ہے کہ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعزاز واحترام سے صرف سکوت اختیار کیا، لیکن جب اس کے عین برعکس وہ آپ ﷺ کی مذمت کرتا، گالی دیتا اور توہین کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کی وجہ سے اس کی سزا اباحت سے بھی بڑھ جاتی ہے۔ اس لیے کہ سزا کا تعین جرم کی نوعیت کے اعتبار سے کیا جاتا ہے۔'' (الصارم المسلول، ص۵۹۳، اردو ترجمہ)

علامہ ابنِ تیمیہؒ مزید صراحت فرماتے ہیں کہ ''جب ہم کسی مشرک یا کتابی کو سنیں کہ وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دے رہا ہے تو ہمارے اور اس کے مابین کوئی عہد قائم نہیں رہتا بلکہ بقدرِ امکان واستطاعت ان سے جہاد وقتال ہم پر واجب ہے''۔ (الصارم المسلول، ص۲۹۱، اردو ترجمہ)

گالی کے معنی ومفہوم معلوم ہو جانے کے بعد دیکھئے گستاخِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سزا سے متعلق احکام الفقہ کیا ہیں اور ائمہ اربعہ کے فتاویٰ اور تصریحات کیا ہیں:

امامِ اعظم امام ابوحنیفہؒ کا مذہب

علامہ خیرالدین رملی حنفی فتاویٰ بزازیہ میں لکھتے ہیں: ''شاتمِ رسول ﷺ کو بہرطور حداً قتل کرنا ضروری ہے۔اس کی توبہ بالکل قبول نہیں کی جائے گی، خواہ یہ توبہ گرفت کے بعد ہو یا اپنے طور پر تائب ہو جائے کیونکہ ایسا شخص زندیق کی طرح ہوتا ہے، جس کی توبہ قابلِ توجہ ہی نہیں اور اس میں کسی مسلمان کے اختلاف کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔اس جرم کا تعلق حقوق العباد سے ہے، یہ صرف توبہ سے ساقط نہیں ہو سکتا، جس طرح دیگر حقوق (چوری، زنا) توبہ سے ساقط نہیں ہوتے اور جس طرح حدِ تہمت توبہ سے ساقط نہیں ہوتی۔یہی سیّدنا ابوبکرؓ، امام اعظمؒ، اہل کوفہ اور امام مالکؒ کا مذہب ہے''۔(تنبیہ الولاۃ واحکام، ص ۳۲۸)

امام ابن عابدین شامی حنفیؒ امت کی رائے بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''تمام اہلِ علم کا اتفاق ہے کہ گستاخِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قتل واجب ہے اور امام مالکؒ، امام ابولیثؒ، امام احمد بن حنبلؒ، امام اسحاقؒ اور امام شافعیؒ حتیٰ کہ سیدنا ابوبکر صدیقؓ ان تمام کا مسلک یہی ہے کہ اس کی توبہ قبول نہ کی جائے''۔ (فتاویٰ شامی، ج ۳، ص ۳۱۸)

فقہ حنفی کے ایک معتبر امام، امام ابن ہمامؒ لکھتے ہیں: ''جو بھی شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بغض رکھے، وہ مرتد ہو جاتا ہے۔گالی دینے والا تو بطریقِ اولیٰ مرتد ہوگا، ہمارے نزدیک ایسے شخص کو بطورِ حد قتل کرنا ضروری ہے اور اس کی توبہ کو قبول کرتے ہوئے قتل معاف نہیں کیا جائے گا، اہلِ کوفہ، امام مالکؒ، بلکہ سیدنا ابوبکر صدیقؓ سے یہی منقول ہے''۔علماء نے یہاں تک فرمایا کہ گالی دینے والا نشے میں ہو تب بھی قتل کیا جائے گا اور معاف نہیں ہوگا۔ (فتح القدیر، ج ۴، ص ۴۰۷)

علامہ طاہر بخاریؒ اپنی کتاب خلاصہ الفتاویٰ میں لکھتے ہیں کہ:

''محیط میں ہے کہ جو نبی ﷺ کو گالی دے، آپ ﷺ کی اہانت کرے، آپ ﷺ کے دینی معاملات یا آپ ﷺ کی شخصیت یا آپ ﷺ کے اوصاف میں سے کسی وصف کے بارے میں عیب جوئی کرے چاہے گالی دینے والا آپ ﷺ کی امت میں سے ہو خواہ اہل کتاب وغیرہ میں سے ہو ذمی یا حربی، خواہ یہ گالی اہانت اور عیب جوئی جان بوجھ کر ہو یا سہواً اور غفلت کی بناء پر نیز سنجیدگی کے ساتھ ہو یا مذاق سے، ہر صورت میں ہمیشہ کے لئے یہ شخص کافر ہوگا اس طرح کہ اگر توبہ کرے گا تو بھی اس کی توبہ نہ عنداللہ مقبول ہے اور نہ عندالناس اور تمام متقدمین اور تمام متاخرین ومجتہدین کے نزدیک شریعت مطہرہ میں اس کی قطعی سزا قتل ہے۔حاکم اور اس کے نائب پر لازم ہے کہ وہ ایسے شخص کے قتل کے بارے میں ذرا سی نرمی سے بھی کام نہ لے''۔ (خلاصہ الفتاویٰ ص ۳۸۶، ج ۶)

خطابیؒ کا قول ہے کہ میں کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا جس نے بدگو کے قتل کے واجب ہونے میں اختلاف کیا ہو اور اگر یہ بدگوئی اللہ تعالیٰ کی شان میں ہو تو ایسے شخص کی توبہ سے اس کا قتل معاف ہو جائے

گا۔'' (فتح القدیر ص۳۳۲، ج۵)

بزازیؒ نے اس کی علت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کا تعلق حقوق العباد سے ہے اور حق العبد توبہ سے معاف نہیں ہوتا جیسے تمام حقوق العباد اور جیسا کہ حد قذف (تہمت کی سزا) توبہ سے ختم نہیں ہوتی۔ بزازیؒ نے اس کی بھی تصریح کی ہے کہ انبیاء میں سے کسی ایک کو برا کہنے کا یہی حکم ہے''۔

امام مالکؒ کا مذہب

ابن قاسمؒ فرماتے ہیں کہ امام مالکؒ سے مصر سے ایک فتویٰ طلب کیا گیا، جس میں میرے فتویٰ کے بارے میں، جس میں کہ میں نے شاتم رسول علیہ السلام کے قتل کا حکم دیا تھا، تصدیق چاہی گئی تھی۔ اس فتویٰ کے جواب میں امام مالکؒ نے مجھ ہی کو اس فتویٰ کا جواب لکھنے کا حکم دیا۔ چنانچہ میں نے یہ جواب لکھا کہ ایسے شخص کو عبرتناک سزا دی جائے اور اس کی گردن اُڑا دی جائے۔ یہ کلمات کہہ کر میں نے امام مالکؒ سے عرض کی کہ اے ابوعبداللہ! (کنیت امام مالکؒ) اگر اجازت ہو تو یہ بھی لکھ دیا جائے کہ قتل کے بعد اس لاش کو جلا دیا جائے۔ یہ سن کر امام مالکؒ نے فرمایا: ''یقیناً وہ گستاخ اسی بات کا مستحق ہے اور یہ سزا اس کے لیے مناسب ہے۔ چنانچہ یہ کلمات میں نے امام موصوف کے سامنے ان کی ایماء پر لکھ دیے اور اس سلسلے میں امام صاحب نے کسی مخالفت کا اظہار نہ کیا۔ چنانچہ یہ کلمات لکھ کر میں نے فتویٰ روانہ کر دیا اور اس فتویٰ کی روشنی میں اس گستاخ کو قتل کر کے اس کی لاش کو جلا دیا گیا''۔ (الشفاء، ج۲، ص۴۵۳، اردو ترجمہ)

ابنِ کنانہ کا حکام کو مشورہ

''مبسوط میں ابنِ کنانہؒ نے لکھا ہے کہ اگر کوئی یہودی یا نصرانی بارگاہِ رسالت میں گستاخی کا مرتکب ہو تو میں حاکمِ وقت کو مشورہ دیتا ہوں اور ہدایت کرتا ہوں کہ ایسے گستاخ کو قتل کر کے اس کی لاش کو پھونک دیا جائے یا براہ راست آگ میں جھونک دیا جائے''۔ (الشفاء، ج۲، ص۴۵۳، از قاضی عیاض مالکیؒ)

حکمِ قتل پر علمائے مالکیہ کی دلیل

قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے علمائے مالکیہ نے ایسے گستاخ ذمی کے قتل کے حکم پر قرآنِ کریم کی اس آیت سے استدلال کیا ہے: ''اور اگر وہ اپنی قسموں کو توڑیں اور عہد شکنی کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے بارے میں بدگوئیاں کریں، تو ان کفر کے سرغنوں سے لڑو''۔ (التوبہ،۱۲)

اس آیتِ قرآنی کے علاوہ علمائے مالکیہ نے سرکارِ دوعالم ﷺ کے عمل سے بھی استدلال کیا ہے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعب بن اشرف کو اس کی گستاخیوں کی وجہ سے قتل کروایا تھا۔ اس گستاخ کے علاوہ اور دوسرے گستاخ بھی تعمیل حکمِ نبوی ﷺ میں قتل کیے گئے تھے۔'' (الشفاء، ج۲، ص۴۴۶-۴۴۷)

علامہ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں: ''جو شخص بھی رسول کریم ﷺ کو گالی دے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات یا دین یا آپ ﷺ کی عادت میں نقص وعیب نکالے یا اسے ایسا شبہ لاحق ہو، جس سے آپ ﷺ کو گالی دینے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیصِ شان، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض وعداوت اور نقص وعیب کا پہلو نکلتا ہو، وہ دشنام دہندہ ہے اور اس کا حکم وہی ہے جو گالی دینے والے کا ہے اور وہ یہ کہ اسے قتل کیا جائے۔ اس مسئلہ کی کسی شاخ کو نہ مستثنیٰ کیا جائے اور نہ اس میں شک وشبہ روا رکھا جائے خواہ گالی صراحتاً دی جائے یا اشارۃً۔ وہ شخص بھی اسی طرح ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر لعنت کرے یا آپ ﷺ کو نقصان پہنچانا چاہے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بددعا کرے یا آپ ﷺ کی شان کے لائق نہ ہو یا آپ ﷺ کی کسی چیز کے بارے میں رکیک، بے ہودہ اور جھوٹی بات کرے یا جن مصائب سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوچار ہوئے ان کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر عیب لگائے یا بعض بشری عوارض کی وجہ سے، جن سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوچار ہوئے، آپ ﷺ کی تنقیصِ شان کرے، اس بات پر تمام علماء اور ائمہ الفتویٰ کا عہدِ صحابہ سے لے کر اگلے تاریخی ادوار تک اجماع چلا آرہا ہے۔'' (الصارم المسلول، ص۴۵۷، اردو ترجمہ)

امام قرطبیؒ اپنی مشہور تفسیر میں لکھتے ہیں: ''مروی ہے کہ ایک آدمی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مجلس میں کہا کہ کعب بن اشرف کو بدعہدی کر کے قتل کیا گیا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ اس کہنے والے کی گردن ماردی جائے۔ (کیونکہ کعب بن اشرف کے ساتھ کوئی معاہدہ نہیں تھا بلکہ وہ مسلسل بدگوئی اور ایذاءرسانی کی وجہ سے مباح الدم بن گیا تھا)۔

اسی طرح کا جملہ ایک اور شخص ابن یامین کے منہ سے نکلا تو کعب بن اشرف کو مارنے والے حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوگئے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا آپ کی مجلس میں یہ بات کہی جارہی ہے اور آپ خاموش ہیں۔ خدا کی قسم! اب آپ کے پاس کسی عمارت کی چھت تلے نہ آؤں گا اور اگر مجھے یہ شخص باہر مل گیا تو اسے قتل کرڈالوں گا۔ علماء نے فرمایا ایسے شخص سے توبہ کے لیے بھی نہ کہا جائے گا بلکہ قتل کردیا جائے گا جو نبی ﷺ کی طرف بدعہدی کو منسوب کرے۔ یہی وہ بات ہے، جسے حضرت علیؓ اور حضرت محمد بن مسلمہؓ نے سمجھا، اس لیے کہ یہ تو زندقہ ہے''۔ (تفسیر قرطبی، ص۸۲، جلد ۸)

اسلام (کافر ساب) کے قتل کو ساقط نہ کرے گا۔ اس لئے کہ یہ قتل نبی ﷺ کے حق کی وجہ سے واجب ہوچکا ہے، کیونکہ اس نے آپ ﷺ کی بےعزتی کی ہے، آپ ﷺ پر نقص وعیب لگانے کا ارادہ کیا ہے، اس لئے اسلام لانے کی وجہ سے بھی اس کا قتل معاف نہ ہوگا اور نہ یہ کافر مسلمان سے بہتر ہوگا، بلکہ بدگوئی کی وجہ سے باوجود توبہ کے دونوں کو چاہے کافر ہو یا مسلم قتل کردیا جائے گا۔ (تفسیر قرطبی، ص۸۴، ج۸)

امام شافعیؒ کا مذہب

امام شافعیؒ سے صراحتاً منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ کو گالی دینے سے عہد ٹوٹ جاتا ہے اور ایسے

شخص کو قتل کر دینا چاہیے۔ابن المنذرؒ، الخطابیؒ اور دیگر علماء نے ان سے اسی طرح نقل کیا ہے۔امام شافعیؒ اپنی کتاب ''الام'' میں فرماتے ہیں:

''جب حاکمِ وقت جزیہ کا عہد نامہ لکھنا چاہے تو اس میں مشروط کا ذکر کرے۔عہد نامے میں تحریر کیا جائے کہ اگر تم میں سے کوئی شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم یا کتاب اللہ یا دینِ اسلام کا تذکرہ نازیبا الفاظ میں کرے گا تو اس سے اللہ تعالیٰ اور تمام مسلمانوں کی ذمہ داری اٹھ جائے گی، جو امان اس کو دی گئی تھی، ختم ہو جائے گی اور اس کا خون اور مال امیر المومنین کے لیے اس طرح مباح ہو جائے گا جس طرح حربی کافروں کے اموال اور خون مباح ہیں''۔ (الصارم المسلول،ص۳۲۔۳۳،اردو ترجمہ)

امام محمدؒ بن سخنون بھی اجماع نقل کرتے ہیں:

''اس بات پر علماء کا اجماع منعقد ہوا ہے کہ نبی کریم ﷺ کو گالی دینے والا اور آپ ﷺ کی توہین کرنے والا کافر ہے اور اس کے بارے میں عذابِ خداوندی کی وعید آئی ہے۔امت کے نزدیک اس کا حکم یہ ہے کہ اسے قتل کیا جائے اور جو شخص اس کے کفر اور اس کی سزا میں شک کرے وہ بھی کافر ہے''۔(الدر مختار، ج۳،ص۳۱۷، نسیم الریاض،شرح الشفاء، ج۴،ص۳۳۸،الصارم المسلول،ص۲۵۔۲۶،اردو ترجمہ)

صحیح بخاری کے مشہور شارح جلیل القدر محدث ابن حجر عسقلانیؒ اپنی کتاب فتح الباری(ص ۲۳۶ ج ۱۲) میں لکھتے ہیں: ابن المنذر نے اس بات پر علماء کا اتفاق نقل کیا کہ جو نبی ﷺ کو گالی دے، اسے قتل کرنا واجب ہے۔ائمہ شوافع کے معروف امام ابوبکر الفارسیؒ نے اپنی کتاب الاجماع میں نقل کیا ہے کہ جو شخص نبی ﷺ کو تہمت کے ساتھ برا کہے، اس کے کافر ہونے پر تمام علماء کا اتفاق ہے، وہ توبہ کرے تو بھی اس کا قتل ختم نہ ہوگا کیونکہ قتل اس کے تہمت لگانے کی سزا ہے اور تہمت کی سزا توبہ سے ساقط نہیں ہوتی۔

امام احمد بن حنبلؒ کا مذہب

''جو شخص رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دے یا آپ ﷺ کی توہین کرے، خواہ وہ مسلم ہو یا کافر، تو وہ واجب القتل ہے۔میری رائے یہ ہے کہ اسے قتل کیا جائے اور اس سے توبہ کا مطالبہ نہ کیا جائے''۔ دوسری جگہ فرماتے ہیں: ہر آدمی جو ایسی بات کرے جس سے اللہ تعالیٰ کی تنقیصِ شان کا پہلو نکلتا ہو، وہ واجب القتل ہے؛ خواہ مسلم ہو یا کافر، یہ اہلِ مدینہ کا مذہب ہے۔ہمارے اصحاب کہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف گالی کا اشارہ کرنا ارتداد ہے، جو موجبِ قتل ہے۔یہ اسی طرح جیسے صراحتاً گالی دی جائے۔علامہ ابن تیمیہؒ اپنے امام کا عقیدہ ارقام فرماتے ہیں:

''ابو طالب سے مروی ہے کہ امام احمدؒ سے اس شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتا ہو۔فرمایا: اسے قتل کیا جائے، کیونکہ اس نے رسول کریم ﷺ کو گالیاں دے کر اپنا عہد توڑ دیا''۔

حربؒ کہتے ہیں کہ میں نے امام احمدؒ سے ایک ذمی کے بارے میں سوال کیا کہ جس نے رسول کریم ﷺ کو گالی دی تھی۔ آپ نے جواب دیا کہ اسے قتل کیا جائے''۔

امام احمدؒ نے جملہ اقوال میں ایسے شخص کے واجب القتل ہونے کی تصریح ہے، اس لیے کہ اس نے عہد شکنی کا ارتکاب کیا۔ اس مسئلہ میں ان سے کوئی اختلاف منقول نہیں۔

(الصارم المسلول، ص ۲۷۔۲۸، اردو ترجمہ)

خلاصہ یہ ہے کہ رسول کریم ﷺ کو گالی دینے والے، آپ ﷺ کی توہین کرنے والے کے کفر اور اس کے مستحق قتل ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں۔ چاروں ائمہ (امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ) سے یہی منقول ہے۔ (فتاویٰ شامی، ج ۳، ص ۳۲۱)

ائمہ اربعہ کی تصریحات کے بعد چاروں مذاہب کے جید اور محقق علمائے کرام نے اس خاص مسئلہ پر چار انمول کتب تصنیف فرما کر اتمام حجت کر دیا ہے اور ان میں گستاخِ رسول کی سزا اپنے اپنے زاویہ نظر سے ''حداً قتل'' قرار دی گئی ہے۔ ان کتب کے نام درج ذیل ہیں:

۱... کتاب الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ ﷺ، مرتبہ قاضی عیاض اندلسی مالکی متوفی ۵۴۴ھ،
۲... الصارم المسلول علیٰ شاتم الرسول، مولفہ امام حافظ ابن تیمیہ حنبلی متوفی ۷۲۸ھ
۳... السیف المسلول علیٰ شاتم الرسول، مولفہ امام تقی الدین سبکی شافعی متوفی ۷۵۶ھ
۴... تنبیہ الولاۃ والحکام علیٰ احکام شاتم خیر الانام ﷺ، علامہ شامی حنفی

نبی پاک ﷺ کی سنت کی مخالفت بھی کفر ہے

''اگر کسی شخص نے بیان کیا کہ ناخنوں کا کاٹنا نبی علیہ السلام کی سنت ہے اور سننے والے نے کہا ٹھیک ہے سنت تو ہے مگر میں پھر بھی نہیں کاٹتا، اس سے بھی وہ کافر ہو جائے گا''۔ (خلاصۃ الفتاویٰ، ج ۴، ص ۳۸۶)

امام ابو یوسفؒ کا واقعہ نقل کیا گیا ہے کہ ایک مرتبہ خلیفہ مامون کے سامنے بیان کیا گیا کہ نبی ﷺ کدو پسند فرماتے تھے۔ ایک آدمی فوراً بولا: میں اسے پسند نہیں کرتا۔ حضرت امام ابو یوسفؒ نے حکم دیا کہ تلوار اور چمڑا لایا جائے (جو قتل کے لئے منگوایا جاتا ہے) اس آدمی نے کہا میں نے جو کچھ ذکر کیا اس سے اور تمام موجبات کفر سے استغفار کرتا ہوں۔ **اشھد ان لا الہ اللّٰہ و اشھد ان محمداً عبدہ و رسولہ**۔ امام ابو یوسفؒ نے اسے چھوڑ دیا اور قتل نہیں کیا۔ اسی قسم کا ایک واقعہ یہ ہے کہ خلیفہ مامون کے زمانے میں ایک شخص سے پوچھا گیا کہ اگر کسی نے جولاہے کو قتل کیا تو کیا حکم ہے؟ جواب دینے والے نے (قتل کے حکم شرعی کا) مذاق اڑاتے ہوئے کہا کہ ایک خوبصورت تر و تازہ باندی دینی ہوگی۔ مامون نے یہ جواب سنا تو جواب دینے والے شخص کی گردن اڑانے کا حکم دیا جس پر عمل کیا گیا اور مامون نے کہا کہ یہ شریعت کے احکام کا

استہزاء ہے اور شریعت کے کسی بھی حکم کا مذاق اڑانا کفر ہے۔'' (شرح الفقہ الاکبر للقاریؒ ص ۱۳۲ تا ص ۱۳۴)

دیوبندی مسلک کے فتاویٰ

حکیم الامۃ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ لکھتے ہیں:

''انبیاء علیہم السلام کی شان میں گستاخی اور اہانت کرنا کفر ہے'' (امداد الفتاویٰ، ج ۵، ص ۳۹۳)

فتاویٰ دار العلوم دیوبند میں ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی طرف فواحش کی نسبت کرنے کے بارے میں سوال کیا گیا تو فرمایا: ''یہ کفر ہے، کیونکہ یہ چیز انہیں گالی دینے اور ان کی توہین وتحقیر کے برابر ہے۔'' (فتاویٰ دار العلوم دیوبند، ص ۳۶۲، فتاویٰ عالمگیری مصری، ج ۲، ص ۳۶۳)

مولانا سیّد انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں:

''مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ جس نے اللہ یا اس کے رسول ﷺ کو گالی دی تو وہ کافر ہے''۔ (اکفار الملحدین، ص ۱۱۹، فتاویٰ شامی، ج ۳، ص ۳۱۷)

شیخ العرب والعجم سیّد حسین احمد مدنیؒ لکھتے ہیں:

''نبی کریم ﷺ کے بارے میں الفاظِ قبیحہ بولنے والا اگرچہ معنی حقیقتاً مراد نہیں لیتا بلکہ معنی مجازاً مراد لیتا ہے، تاہم ایہام گستاخی واہانت واذیت ذاتِ پاک حق تعالیٰ شانہ اور جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے خالی نہیں کہ اس میں گستاخی، اہانت اور اذیت کا وہم پایا جاتا ہے اور یہی سبب ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے لفظ'' راعنا'' بولنے سے منع فرمایا اور ''انظرنا'' کا لفظ عرض کرنا ارشاد فرمایا۔ پس ان کلماتِ کفر کے بکنے والے کو منع شدید کرنا چاہیے۔ اگر مقدور ہو اور اگر باز نہ آئے تو قتل کردیا جائے کہ موذی حق تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مجرم ہے''۔ (الشہاب الثاقب، ص ۵۰، لطائفِ رشیدیہ ص ۲۲)

غیر مقلدین کے فتاویٰ

مذاہبِ اربعہ کی ان بے پایاں تصانیف اور خدمت کے بعد غیر مقلدین کے مشہور ومعروف اور معتبر عالم علامہ وحید الزماںؒ بھی اس موقف کی تائید کرتے ہیں:

''کسی نبی کی تحقیر یا توہین کفر ہے.... مسلمان نہ جناب خاتمِ رسالت ﷺ کے ساتھ بے ادبی کرنے کو گوارہ کریں گے اور نہ جناب عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ، نہ کسی اور نبی کے ساتھ اور جو کوئی جناب عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بے ادبی کرے گا، اس مردود کو بھی ہم اسی طرح ماریں گے اور قتل کریں گے جیسے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بے ادبی کرنے پر اسکو ماریں گے اور قتل کریں گے''۔ (حاشیہ سنن ابن ماجہ، مترجم علامہ وحید الزماںؒ، حاشیہ بر بذکر البعاث، ص ۳۹۶، مطبوعہ: الحدیث اکادمی کشمیری بازار لاہور)

بریلوی مسلک کا فتویٰ

مولانا احمد رضا خان صاحب بریلویؒ الاشباہ والنظائر کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''نشے کی حالت میں کسی مسلمان کے منہ سے کلمہ کفر نکل گیا تو اسے کافر نہ کہیں گے اور نہ سزائے کفر دیں گے مگر نبی کریم ﷺ کی شان میں گستاخی وہ کفر ہے کہ نشے کی بے ہوشی سے بھی صادر ہو تو اسے معافی نہ دیں گے''۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۶، ص ۴۰)

گستاخِ رسول ﷺ کے لیے معافی ایک دھوکہ ہے!

بعض اخباروں میں یہ اعلان کیا گیا ہے کہ کارٹونسٹ نے معافی مانگ لی کہ ''اگر'' کسی کو تکلیف پہنچی ہو تو میں اس سے معافی چاہتا ہوں، حالانکہ معروف ہستیوں کے نام لے لے کر اُن کی توہین کرنا آزادیٔ اظہار نہیں، لیکن پھر بھی معافی ایک دھوکہ ہے، کیونکہ یہ پہلی مرتبہ ایسا نہیں کیا گیا بلکہ بار بار کیا گیا ہے اور اس پر تمام دنیا کے اہل ایمان سراپا احتجاج بنے ہوئے ہیں۔ اس سے پہلے بھی کئی مرتبہ ''معافیاں'' مانگی گئی ہیں لیکن محسوس ہوتا ہے کہ گستاخیاں کرنا اور پھر اس پر ''معافی'' مانگنا ان کا وتیرہ بن چکا ہے۔ اللہ کے محبوب ترین ہستیوں کی شان میں ادنیٰ سی گستاخی کرنا بھی اللہ کے عذاب کو دعوت دینا ہے۔ اللہ اور رسول ﷺ کو ایذا پہنچانا، دنیا اور آخرت میں اپنے اوپر، اپنے حمایتیوں پر، اپنے ہمنواؤں پر بلکہ ساتھ میں بہت سے عوام پر بھی عذابوں کا مطالبہ کر لینا ہے۔ ظاہر ہے کہ اوّل تو اُن سے معافی طلب نہیں کی گئی جس ہستی کو ایذا پہنچائی گئی۔ دوسرے شریعت میں معافی کی گنجائش ہی نہیں اور وہاں سے معافی حاصل ہی نہیں ہو سکتی، تو یہ سارے عالم کو دھوکہ دے کر اندھا بنانا ہے۔

پھر یہ کہ کارٹونسٹ اور اُس کے سرپرستوں کے بیان میں ''اگر'' کا لفظ بتا رہا ہے کہ اب بھی اُن کے نزدیک کوئی بات اہانت، تذلیل وتحقیر کی واقعی نہیں ہوئی، اگر کسی کو خواہ مخواہ تکلیف ہوئی ہو تو معافی چاہتے ہیں۔

ذرا غور تو کریں کہ معافی اور وہ بھی صرف اُس وقت کے متنبہ کرنے والوں سے اور پھر اپنی نظر میں غیر واقعی بات کہ ''اگر'' ہو تو، یہ کیا معافی مانگنا ہوا، یہ تمام دنیا کو دھوکہ دینے کے سوا اور کیا ہے؟ یاد رکھئے اللہ تعالیٰ کو دھوکہ نہیں دیا جا سکتا۔ وہ دلوں کا حال خوب جانتے ہیں۔

دنیا بھر کے اربوں مسلمانوں کو جو اس وقت سخت اضطراب کی آگ میں بھن رہے ہیں اور تڑپ رہے ہیں، کیا اس دھوکہ سے ان کو کوئی سکون ہو سکتا ہے؟ جب مسلمانوں کو شرعی طور پر معاف کرنے کا حق ہی نہیں ہے تو کیا وہ عذاباتِ الٰہی جو ایسے عرش ہلا دینے والے گناہوں پر بے قرار ہو کر برس پڑتے ہیں، اس سے ان کی کوئی رکاوٹ ہو سکتی ہے؟

احکامِ الٰہی، ارشاداتِ نبوی، اجماعِ امت، قیاسِ شرعی، عقلِ سلیم، ہتکِ عزّت کا قانون تمام

دنیا کی قوموں اور مملکتوں میں دیکھ چکے ہیں تو اس کے سوا کیا چارہ کار ممکن ہے کہ ان توہین کرنے والوں اور ایذا دینے والوں کے وجود سے زمین و آسمان کو پاک کر دیا جائے، یہی اصل توبہ ہے، چاہے وہ بدبخت مسلمان ہو، ذمی ہو یا حربی کافر ہو۔

عقلی وجوہات

سب جانتے ہیں کہ رسول ﷺ اللہ تعالیٰ کی منتخب وہ اعلیٰ ہستی ہیں جن کے لئے اللہ نے اس دنیا کو قائم کیا اور تمام انبیاء پر مقدم رکھا، جو ان کی توہین کرے، برا کہے یا مذاق اڑائے ایسے لوگ یا ان کا ساتھ دینے والے آخر کیسے اللہ کے عذاب سے بچ سکتے ہیں، یہ خدائی احترامات کو پامال کرنے کا جرم ہے جو انتہائی خطرناک اور ناقابلِ معافی گناہ ہے، چاہے ایسا کرنے والا پہلے مسلمان ہو پھر مرتد ہو کر دوبارہ اسلام قبول کرلے، چاہے ذمی یا حربی کافر ہو اور توہین کرنے کے بعد اسلام قبول کرلے۔ اسی طرح توہین کرنے والوں کو بے قصور تصور کرنا یا پھر یہ کہہ کر ان کے جرم کو ہلکا کرنا کہ وہ توہین کرتے ہیں تو کسی وجہ سے نہیں بلکہ اُن کو اس بات کی اہمیت ہی معلوم نہیں کہ رسول ﷺ ہمارے لئے کیا ہیں۔ یہ کہہ کر ان کو معاف کرنا اتنا ہی بڑا گناہ ہے جتنا کہ توہین کرنے والا شخص گناہگار ہے۔ کیونکہ برائی کو بُرا نہ سمجھنا بھی گناہ ہی ہے، جس طرح ظلم پر خاموش رہنا بھی ظالم کا ساتھ دینا ہوتا ہے۔ پھر کافر اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کے لئے کیا درجہ رکھتے ہیں، جبھی تو وہ اُن کی طرح طرح سے توہین کرتے ہیں۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ ''اگر کوئی شخص اپنے نبی کی شان میں گستاخی سن کر خاموش رہے، تو وہ شخص بھی اُس نبی کی امت سے خارج ہوجاتا ہے''۔

(تحفظ ناموسِ رسالت اور گستاخِ رسول کی سزا، ص۳۲۳، شائع کردہ عالمی تحفظ ختم نبوت، ملتان)

ہر شخص یہ بات جانتا ہے کہ معمولی آدمی کی ہتکِ عزت بڑا جرم ہے اور ہر حکومت میں یہ جرم قابلِ سزا ہوتا ہے۔ اور جب ہتکِ عزت انتہائی معززین کی ہو تو انتہائی سزاؤں کا مستحق ہوتا ہے۔

تمام قوموں سے ایک سوال

اسرائیل ہو یا ساری دنیا، مشرق ومغرب، شمال وجنوب کی کوئی مملکت یا اقوام متحدہ یا کوئی ادارہ جس میں انسانیت کی کوئی رمق باقی ہو، بلکہ دنیا بھر کے ہر ہر فرد سے یہ سوال ہے کہ اگر کوئی مسلمان یا دوسرے دین کا کوئی فرد آپ کے نبیوں، مقتداؤں، دین کے ستونوں اور ان کے اہلخانہ کے نام لے لے کر یہ انتہائی برا کام کرے کہ ایک دن کو مقرر کر کے کارٹون ڈے منائے اور اس کو کرنے سے پہلے اعلان کرے کہ جو بھی حصہ لینا چاہے اسے دعوت عام ہے، اور آپ کو اس پر طاقت وقدرت حاصل ہو تو آپ

اُس کے ساتھ کیا کریں گے؟

اگر یہ حرکت عالمِ انسانیت کسی طرح اپنے لئے قطعی برداشت نہیں کر سکتی تو اُس وقت وہ انسانیت کہاں غائب ہو جاتی ہے جب ہمارے پیارے نبی ﷺ کی بات آجاتی ہے؟ کیا آپ برداشت کر سکتے ہیں؟ کیا آپ اُس وقت آگ بگولہ نہ ہوں گے؟

مسلمانوں سے سوال

اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ایذا دینے والوں سے متعلق قرآنی آیات آپ کے سامنے ہیں۔ رسول ﷺ اور صحابہ کرامؓ کا گستاخوں کے ساتھ معاملہ آپ کے علم میں آ گیا۔ احکاماتِ فقہ، فتاوی ائمہ، علماء کے ردِعمل اور اجماعِ امت سے واقف ہونے کے بعد اب کوئی ابہام نہیں رہا کہ توہینِ رسالت کی سزا قتل کے سوا کچھ نہیں اور معافی کا کوئی تصور نہیں۔

آخر ہم نے اپنے پیارے نبی ﷺ کی ناموس کی حفاظت کا اب تک کتنا حق ادا کیا؟ وہ نبی ﷺ جو تمام عمر یہی دعا کرتے رہے کہ یا اللہ! میری امّت کو بخش دے اور جب اس دنیا سے تشریف لے جانے لگے تو اُن کے لبوں پر یہی الفاظ تھے کہ یا اللہ! میری امت کو بخش دے۔ نہ کبھی اپنے لئے اللہ پاک سے سوال کیا نہ اپنی اولادوں کے لئے کچھ مانگا، ہمیشہ امت کا غم دل میں رکھا۔ وہ جن کی دعاؤں سے آج ہم اجتماعی تباہی سے بچے ہوئے ہیں، ورنہ وہ کون سا گناہ ہے جو امتِ محمد یہ نہیں کر رہی جن کی وجہ سے پچھلی قوموں کو اللہ جل شانہٗ نے عذاب میں پکڑا اور صفحۂ ہستی سے مٹا دیا۔ ہم ایسے کریم شفقت کرنے والے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایسے الفاظ یا توہین آمیز خاکے کیسے برداشت کر لیتے ہیں؟ اپنی بزدلی اور ایمانی کمزوری کا اقرار کرنے کے بجائے یہ کہہ کر اپنے آپ کو تسلی دے لیتے ہیں کہ اب تو انہوں نے معافی مانگ لی، حالانکہ شریعت میں اس جرم کی تو معافی ہے ہی نہیں۔

دین ہم تک پہنچانے والے کی ناموس کی حفاظت کے لئے ہم کھڑے نہ ہوئے تو ہمیں مسلمان کہلانے کا کیا حق ہے۔ یہ آیت شاید ہم جیسوں کے لئے ہی نازل ہوئی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: یہ گنوار کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے۔ تم کہہ دو کہ ابھی ایمان تو تمہارے دلوں میں اُترا ہی نہیں، بلکہ یوں کہو کہ ہم مسلمان ہو گئے۔ (الحجرات، ۱۴)

آج ہمارا زمانہ بھی صحابہؓ کے دور سے قریب تر ہے۔ جو اجر صحابہ کرامؓ نے سمیٹ لیا اب وہ کوئی اور نہیں پا سکتا، انہوں نے اسلام کی بنیاد رکھی، انہوں نے اُس وقت دین کو تقویت دی جب چاروں طرف کفر کی ظلمت چھائی ہوئی تھی۔ انہوں نے اپنے چاروں طرف پھیلے کافروں سے ٹکر لی، خاص طور پر اُس وقت کی دو بڑی سلطنتوں روم اور فارس کی شوکت کو توڑا۔ ان کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ ان کو بلاواسطہ رسول اللہ کی صحبت نصیب ہوئی۔ آج اسلام پھر غریب الوطن ہے۔ آج ہمارے زمانے میں بھی

ساری دنیا پر عالمِ کفر چھایا ہوا ہے اور کہنے کو تو بہت سارے اسلامی ممالک بھی ہیں، لیکن کسی بھی ملک میں شرعی اسلامی حکومت نہیں ہے، ہر اسلامی ملک نے سربراہ چننے کا جو نظام اپنایا ہوا ہے، اس میں کسی صورت عالمِ کفر کی مرضی کے برخلاف کوئی اسلامی ذہن رکھنے والا شخص منتخب ہی نہیں ہوسکتا۔ یہ اور بھی خطرناک وقت ہے کہ اللہ کی زمین پر اللہ کا نظام نافذ کرنے کی کوشش کرنے والوں کو صرف کفار سے ہی نہیں ٹکرانا ہوتا ہے بلکہ ان کی حفاظت کرنے والے مسلمان اتحادیوں کی مخالفتوں کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اسی لیے ہم یہ کہتے ہیں کہ ہمارا زمانہ بعینہٖ صحابہؓ کی طرح نہیں پھر بھی ان سے مماثلت رکھتا ہے۔ ہم میں سے اکثر یہ ذکر کرتے ہیں کہ ہم اگر دورِ صحابہؓ میں ہوتے تو اسلام کی فلاں خدمت کرتے، رسول ﷺ کی خدمت کرکے انوارات سمیٹتے۔ ذرا آنکھ بند کرکے تصور کریں، نبی ﷺ اپنے روضے مبارک میں تشریف فرما ہیں، فرشتے امت کے اعمال اور حالات آپ ﷺ کو پیش کررہے ہیں۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم دل گرفتہ ہیں... ہاں مدینے کی طرف کان لگا کر سنیں... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں: "من یکفینی عدوی" میرے دشمن کی خبر کون لے گا؟ یہ ہم کو ایذا دیتے ہیں۔ اب آنکھ کھول لیں... ہاں، اب آنکھ کھول ہی لیں، اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر سوچیں، آپ میں ایمان کی کتنی رمق باقی ہے؟ یقیناً ہر مومن کہے گا "میں حاضر ہوں اے اللہ کے رسول ﷺ"۔

ایک حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا "آخری وقتوں میں لوگوں کی ایک ایسی نسل ہوگی کہ جن میں سے ایک کا اجر پچاس کے برابر ہوگا۔ صحابہ نے پوچھا کہ ہم میں سے پچاس یا اُن میں سے پچاس۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم میں سے پچاس"۔ (اللہ ہمیں فتح کے لیے تیار کررہا ہے"، امام انور العلوقی)

اتنے زیادہ اجر کا ذکر کیوں فرمایا... حالات کی سختیوں کی وجہ سے۔ تو جب اجر بٹنے کا وقت ہے پھر پیچھے رہنا کون چاہے گا۔ ہاں! جنت کے اعلیٰ درجات تو قربانیوں سے ہی حاصل ہوتے ہیں، لہٰذا سوچیں اور سمجھیں اپنے اعمال پہ نظر کریں، اپنی صلاحیتوں کو ٹٹولیں اور دین کی سربلندی اور ناموس رسالت ﷺ کی حفاظت کے لئے استعمال کریں۔ رسول ﷺ کو کافروں سے اتنی تکلیف نہیں پہنچتی جتنی اپنی امت کے رویہ سے پہنچتی ہے۔ اس دنیا سے آگے بھی ایک دنیا ہے، جہاں ہمیں جانا ہے، کسی کی سفارش یا مصلحت کام نہیں آئے گی، اس دنیا میں تو ہم اپنے آپ کو دھوکہ دے سکتے ہیں مگر وہاں اللہ تعالیٰ سب کھول کر رکھ دیں گے۔ جو صراطِ مستقیم پر چلے گا اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی محبت کرے گا اُسی کا بیڑا پار ہوگا۔

☆ ☆ ☆ ☆

شہیدِ مسجد النبی ﷺ

(یومِ شہادت یکم محرم)

پروفیسر محمد حمزہ نعیم، جھنگ

اس وقت میرے سامنے کتابوں کا ڈھیر لگا ہوا ہے اور موتی فقط ایک ہی درکار ہے، اور وہ موتی مل گیا ہے: سیرتِ عمر فاروقؓ کا کوئی نیا پہلو۔ ''فراستِ عمرؓ'' فرمانِ رسول ﷺ کا مفہوم ہے کہ: ''مؤمن کی فراست سے بچو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔'' دُوسرا معنی کہ ''مؤمن کی فراست سے تقویٰ حاصل کرو۔''

مؤمن اوّل، افضل البشر بعد الانبیاء تو سیّدنا حضرت صدیق اکبرؓ ہیں، ان کے بعد یعنی ثانیٔ رسول کے ثانی سیّدنا حضرت فاروقِ اعظمؓ ہیں۔

حدیثِ مذکورہ بالا میں ایک عام صاحبِ ایمان کی فراست کا ذکر ہے، تو سابقون الاوّلون من المہاجرین والانصار اور خصوصاً اَصحاب عشرہ مبشرہ، پھر علی الاخص سیّدنا حضرت صدیق اکبرؓ اور سیّدنا حضرت فاروقِ اعظمؓ کی فراست کے کیا کہنے! آپ ﷺ نے فرمایا: ''میرے بعد اگر کوئی نبی ہوتا تو عمر نبی ہوتے'' (الحدیث)۔

یہ فراست ہی تو تھی کہ نبی مکرم ﷺ کے ساتھ آٹھویں پشت میں ہم جد سیّدنا عمر فاروقِ اعظمؓ کا خاندان اہلِ مکہ، قریشی خاندانوں کی طرف سے قبل اَز اِسلام بھی دُوسرے قبائل اور ان کے حکمرانوں کے پاس سفارت کا عہدہ سنبھالے ہوئے تھا۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر بھی خاتم المعصومین ﷺ نے پہلے فاروقِ اعظمؓ کو سفیر کے طور پر قریشِ مکہ کے پاس بھیجنے کا اِرادہ فرمایا تھا، مگر آسمان والے کو سیّد الرسل کا ہاتھ ذی النورینؓ کا ہاتھ قرار دِلوانا منظور تھا، لہٰذا اپنے معزز اَصحاب کے ساتھ مشورے کے بعد سیّدنا عثمانؓ کو سفیرِ رسول بنا کر سردارانِ قریش کے پاس بھیج دیا گیا۔ سیّدنا ابوسفیانؓ اور ان کے والد حرب بن اُمیہ کی اہلِ مکہ کے لئے علمی خدمات کی غرض سے مکہ مکرمہ میں جو اسکول وجود میں آیا تھا، اسی اسکول سے اکثر اہلِ مکہ

مستفید ہوئے تھے، سیّدنا عمر فاروقِ اعظمؓ بھی ان سترہ اٹھارہ اصحاب علم وفہم میں شامل تھے جنہوں نے اس تعلیمی اِدارے سے لکھنا پڑھنا سیکھا تھا۔ (تاریخ مدینہ اُردو)

مختصر عرض کرنا مقصود ہے، ایمان سے سرفراز ہونے اور علمی بلندیوں کے بعد وہ اِیمانی رفعتیں بھی حاصل کر چکے تھے۔ دارِاَرقم میں داخلے کے وقت چالیسویں نمبر پر تھے، مگر رحلتِ نبوی کے وقت اکثر اَصحابِ کبار کی زبانوں پر آچکا تھا کہ اُمت میں دُوسرا نمبر عمر ہی کا ہے، یعنی صدیق اکبرؓ کے بعد آپ ہی کا نمبر ہے۔

نبی مکرم ﷺ کی ادنیٰ خلاف ورزی کرنے والے کے خلاف ان کی تلوار نیام سے باہر نظر آتی تھی، تاہم نبوی حکم اسے واپس بھی کر دیتا تھا۔ فتح مکہ سے چندروز پہلے حاطب بن ابی بلتعہؓ کے بارے میں یہی صورت پیش آئی، مگر ایک منافق نے اپنے ظاہری اسلام کا سہارا لے کر جب حکمِ نبوی ٹھکرادیا تھا تو فاروقی تلوار نے اس کا فیصلہ کر دیا تھا، اور تائید ہفت افلاک اُوپر سے رَبِّ افلاک نے فرمادی تھی۔ نبی کریم ﷺ نے فرمادیا تھا: ''اے عمر! تم جس راستے پر چلو، اس راستے پر شیطان نہیں چل سکتا۔'' (بخاری ومسلم) عجیب بات! آج بھی جن واِنس کے بڑے بڑے شیطانوں کو فاروقی راہ چلنا ناممکن ہے۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان کتنا سچ ہے! ''اے عمر! تم سے شیطان ڈرتا ہے'' (ترمذی)۔

ہم آج فراستِ فاروقی کی چند مثالیں لکھنا پسند کرتے ہیں:

۱:- بدر کے قیدیوں کے بارے میں ان کی فہم وفراست میں جو بات آئی کہ ہر قیدی کو اس کا قریب ترین مؤمن رشتہ دار قتل کرے، آسمانوں سے اسی فیصلے کی پسندیدگی اور اس کے خلاف ناراضی کا اِظہار کیا گیا۔

۲:- اُمہات المؤمنینؓ (بشمول اَزواجِ اہلِ اِیمان) کے پردے کا حکم آنے سے پہلے فراستِ عمر نے تقاضا شروع کر دیا تھا۔ (مسند احمد)

۳:- منافقین خصوصاً ابن اُبیّ کا جنازہ پڑھانے سے ہچکچاہٹ محسوس کی، درخواست گزاری، تھوڑی ہی دیر بعد جبریل امین نے آکر تائید کر دی اور حکم اِلٰہی پہنچا دیا تھا۔

۴:- جس پتھر نے سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کے مبارک قدموں کو بوقتِ تعمیرِ کعبہ چھونے کا شرف حاصل کیا تھا، سیّدنا حضرت عمر فاروقؓ نے آسمانی حکم آنے سے پہلے بخدمتِ رسول عرض کر دیا تھا کہ مقامِ اِبراہیم کو جائے نماز کیوں نہ بنایا جائے، بس چند ہی لمحے بعد جبریل امین نے فراستِ فاروقی کی تائید میں وحیِ رَبانی لادی۔

دسیوں مقامات میں وحیِ رَبانی سے فراستِ فاروقی پیشگی اِعلان کرتی نظر آتی ہے، دُنیا کے تعلیمی اِداروں میں پیپر آؤٹ ہونا، ناپسندیدہ اور ناکامی شمار ہوتا ہے، مگر آسمانی پیپر آؤٹ کرنے پر

فراستِ فاروقی کامیابی، محبوبیت اور خوشنودیٔ ربانی کا لاجواب و لاثانی سرٹیفکیٹ پاتی ہے۔ منافقین، ابن اُبیّ کے ساتھیوں نے حبیبۂ حبیبِ ربّ العالمین اُمّ المؤمنین طاہرہ سیّدہ عائشہؓ کی آن پر ہاتھ ڈالنے کی ناپاک جسارت کی، تو فاروقی فراست نعرہ لگایا: "سبحٰنک ھٰذا بھتان عظیم" خالقِ کائنات کو یہ فاروقی نعرہ اتنا پسند آیا کہ براءتِ اُمّ المؤمنینؓ میں اُتاری جانے والی سورۂ نور کا حصہ بنادیا۔ یہی وجہ تھی اور فراستِ صدیقی و فاروقی پر خاتم المعصومین ﷺ کو اتنا بھرپور اعتماد تھا کہ فرمادیا تھا: ''نہیں معلوم میں تم میں کب تک رہوں گا، "اقتدوا بالّذَین من بعدی أبی بکر وعمر" میرے بعد ابوبکر و عمر کی پیروی کرنا'' (ترمذی)۔ سیّدنا علیؓ نے بھی اسی لئے فرمادیا تھا، میں نے بارہا نبی پاک ﷺ کو فرماتے سنا: ''میں تھا اور ابوبکر و عمر تھے، میں نے اور ابوبکر و عمر نے یہ کیا۔ میں اور ابوبکر و عمر چلے۔ میں اور ابوبکر و عمر آئے۔ میں اور ابوبکر و عمر گئے'' اے عمر! مجھے اُمید ہے اللہ تمہیں تمہارے دونوں ساتھیوں کے ساتھ ہی رکھے گا۔ (بخاری و مسلم)۔ آج تک تو ساتھ ہیں اور ہمیں ان کے جنت میں بھی ساتھ ہونے میں شک نہیں۔

فراستِ ایمانی فراستِ فاروقی کا دُوسرا جزو وہ ہے جو کضوءِ النھار مدینہ اور بیرونِ مدینہ لوگوں کے سامنے پیش آتا رہا۔ ایک ساتھی صحابی کو پہاڑ سے نکلنے والی آگ کو واپس کروانے بھیج رہے ہیں، فرشِ زمین پر لیٹے ہیں اور سفیرِ رُوم سے کہلوا رہے ہیں: "عدلت فأمنت فنمت یا عمر" اے عمر! تو نے عدل قائم کردیا، پھر تو بےخوف جہاں چاہا سو گیا۔

جس اہلِ ایمان کو جہاں بھیجتے ہیں، جس عہدے پر لگاتے ہیں، وہ گویا وہیں کے لئے فٹ تھا۔

فاتحِ مصر عمرو بن عاصؓ نے مصریوں کو نوجوان بے گناہ لڑکی دریابُرد کرنے سے سختی سے منع کیا اور امیرالمؤمنینؓ کو اِطلاع دی، گورنرِ مصر کے فیصلے کی تصویب کے ساتھ دریائے نیل کو روانی کا حکم دیا، اس کے ریت کے ذرّوں کو بھی پسینہ آگیا، وہ آج تک اہلِ مصر کی خدمت میں رواں دواں ہے۔ ساریہ اِیرانیوں کے مقابل جنگ لڑ رہا ہے، مدینہ میں دورانِ خطبہ اسے ہدایات دے کر فتح یاب کررہے ہیں۔

مگر ایک تیسرا پہلو فراستِ فاروقی کا وہ ہے جس کا مختصر ذِکر آج کی نشست میں کرنا خصوصاً ضروری ہے۔ تاریخ وسیرت کی کتابوں میں لکھا ہے جب سیّدنا فاروقِ اعظمؓ کے جرنیلوں نے عراق فتح کرلیا جو پہلے ایرانی سطوت کے زیرِ اثر تھا، یہ بات آگ کے پجاریوں، اس وقت کی دو میں سے ایک سپر طاقت اِیران کو بالکل نہیں بھائی۔ حضرت عمر فاروقِ اعظمؓ نے اِیرانی جرنیلوں کو سبق سکھانے اور وہاں پرچمِ اسلام لہرانے کی اِجازت دے دی، مگر ساتھ ہی فرمایا: ''کاش! ہمارے اور اِیران کے درمیان آگ کے پہاڑ ہوتے کہ نہ وہ ہم پر حملہ کرسکتے، نہ ہم ان پر چڑھ کر جاتے۔ بس آج فراستِ فاروقی کی اس بات پر ہم مختصر اِشارہ کرتے ہیں:

جزیرۂ عرب سے مشرکین یہود و نصاریٰ کو نکالنے کے حکمِ نبوی پر عمل تو فاروقِ اعظمؓ نے کیا، اس

کے بعد شام اور عراق کے عرب علاقے عالم اسلام کے زیر نگیں آئے، مگر عراق کا ہاتھ سے نکلنا آگ کے پجاری شاہ پرستوں کو چین لینے نہیں دے رہا تھا، انہوں نے سمجھا، یہ صرف عمر ہیں جو اسلام کو پھیلاتے چلے جارہے ہیں، چنانچہ ہرمزان وغیرہ نے مل کر ایرانی بدبخت فیروز کے ذریعے سازش تیار کی اور سیّدنا فاروقِ اعظمؓ کو نبوی مصلے پر شہید کردیا۔ سیّدنا عثمانؓ نے حضرت عمرؓ کے ۲۲ لاکھ مربع میل اسلامی حکمرانی کو دوگنا کردیا۔ ۴۴ لاکھ مربع میل اسلام کے قبضے میں آگئے، تو سودا نامی یہودن کے بیٹے ابن سبا کو صنعاء (یمن) سے درآمد کیا گیا، وہ علاقہ بھی عرب ہونے کے باوجود ایران کے زیر اَثر رہا تھا، اب ایرانی سازش میں یہودی عنصر بھی شامل ہوا اور شام میں قیصرِ رُوم کی فوجیں سخت ہزیمت اُٹھاچکی تھیں، لہٰذا نصرانی عناصر بھی سوفیصد شامل ہوچکے تھے، اس طرح ایرانی شاہ پرست مجوسی اور یہودی ونصاریٰ نے ابن سبا کے ذریعے اپنے تھنک ٹینک کے مشوروں پر عمل درآمد شروع کیا، چنانچہ اس نے بصرہ سے آغاز کرکے کوفہ، شام اور مصر میں اپنے حامی پیدا کئے، عثمانی عمال کے خلاف پراپیگنڈا کیا، یہودی نظریے کی طرح جگہ جگہ حضرت علیؓ اور اولادِ فاطمہ کو حق دار اور ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ کو غاصب بتایا، بلکہ یہاں تک کہا کہ وہ اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے جو حضرت علیؓ کی شکل میں ہمارے سامنے ہے۔ فتنہ اس حد تک بڑھا کہ حضرت عثمان ذی النورینؓ شہید ہوئے، حضرت علیؓ نے ابن سبا کو ساتھیوں سمیت آگ میں جلوادیا، مگر وہ اکیلا تو نہیں تھا۔ وہ تو ایک بدرُوح تھی جو ہزاروں اسلام دُشمنوں میں حلول کرچکی تھی، انہی بدرُوحوں نے ماں بیٹوں کو لڑوایا، عشرہ مبشرہ میں سے سیدنا علیؓ اور سیّدنا زبیرؓ وسیّدنا طلحہؓ اور پھر سیّدنا علیؓ اور سیّدنا امیر معاویہؓ جیسے اسلامی جرنیلوں کو آمادہ بہ جنگ کیا، حتیٰ کہ سیّدنا علیؓ بھی شہید ہوگئے، عام الجماعت میں سیّدنا حسنؓ، سیّدنا حسینؓ اور سیّدنا امیر معاویہؓ ایک ہی صف میں نظر آئے، اور ان کی گرفت مضبوط ہوئی، مگر بدنصیب سازشیوں نے خاندانِ علی ونبی کو دشتِ کربلا میں تڑپادیا، خاندانِ عبدمناف میں ہم جد نبی، بنی اُمیہ کی گرفت مضبوط ہوئی اور بقول علامہ اقبال: تھمتا نہ تھا کسی سے سیلِ رواں ہمارا!

تو یہودی عجمی تھنک ٹینکس ابومسلم خراسانی کو سامنے لائے، وہ پارسی نسل Notorious دماغ ایرانی تھا، اس نے ہاشمی وعباسی نام سے عوام کا اِستحصال کیا، کہیں اس نے یمنی اور مصری نام پر، کہیں عربی وعجمی نام پر، لڑائیاں کرائیں۔ آج کے پاکستانی حکمرانوں کی طرح امان کا وعدہ دے کر ابن ہبیرہ جیسے جرنیل سے ہتھیار رکھوائے، پھر سفاح سے کہہ کر قتل کرادیا۔ بخارا اور خراسان کے علاقوں میں محبانِ اہلِ بیت اور امیر ہشام اِبراہیم اور اپنے ساتھی ابوسلمہ اور سلیمان بن کثیر کو بھی جو اُموی اِقتدار کے خاتمے میں حصہ دار تھے، قتل کروادیا، مگر عباسیوں کا (اہلِ بیتِ رسول کے نام پر) کالا جھنڈا بلند کرنے والے کا اپنا حشر کیا ہوا؟ منصور عباسی نے چھ لاکھ انسانوں کے خون بہانے والے اس دُشمنِ اسلام کو بھی مرواڈالا۔

عباسی حکمران، سبائی تھنک ٹینکوں کے سہارے تخت وتاج کے وارث ہوئے تھے، لہٰذا اوّل دن

سے انہیں کبھی برامکہ، کبھی آل ابو یہہ کا سہارا لینا پڑا۔ ایران کے شمال مغربی پہاڑوں میں حسن بن صباح نے جنت بنائی، ہزاروں نوجوانوں کو ورغلایا اور چوٹی کے مسلم علماء اور مسلم حکمرانوں کو شہید کیا۔ مصر اور تونس (شمالی افریقہ) میں عبداللہ بن میمون نے اپنا نسب بنتِ رسول فاطمہؓ سے جوڑ کر یہاں علیحدہ حکومت قائم کی، منصور الحاکم بامراللہ نے اعلان کیا کہ اللہ خود میرے اندر حلول کر گیا ہے۔ اس کے ایک داعی محمد اسماعیل دروز نے ایک نیا فتنہ دروزی نام سے کھڑا کیا، جو سیّدنا علیؓ کو ہی اللہ ماننے کا اعلان کرتے ہیں۔ ساڑھے سات سو سال پہلے سقوطِ بغداد بھی انہی منافقوں کی غداری اور سازش کی وجہ سے ہوا۔ تاہم فطرت کی تعزیروں سے اس سازش کے مہرے بھی بچ نہ پائے۔ ابن علقمی غالی رافضی تھا، اس نے عام تباہی کے علاوہ خلیفہ معتصم باللہ کو دھوکے سے ہلاکو خان کے دربار میں پہنچایا، پھر اس کے ذریعے اراکین سلطنت، علماء وفقہاء اور اس کے بیٹے کو بلوایا، سب کو خلیفہ کے سامنے قتل کر دیا گیا، خلیفہ کے ذریعے تمام فوجی جوانوں کو بے ہتھیار طلب کیا گیا، پھر دیتھ اسکواڈ کے حوالے کر دیا گیا، عورتیں اور بچے قرآن سر پر رکھ کر نکلے، مگر انہیں امان نہ ملی، خلیفہ کو بھوکا پیاسا نظر بند کر دیا گیا، کھانا مانگا تو ہیروں بھرا طشت بھجوا دیا کہ لو اسے کھاؤ، اگر تم لاکھوں مسلمانوں کی جانیں بچانے کے لئے اسے استعمال نہیں کر سکے تو اَب اس سے تمہاری جان بھی بچ نہیں سکتی۔ ابن علقمی اور دُوسرے رافضی وزیر نصیرالدین طوسی نے خلیفہ اسلام کے خلاف اپنا غصہ یوں نکالا کہ ہلاکو کو اس کے تلوار سے قتل کرنے سے روک دیا، اور ٹاٹ میں لپیٹ کر اسے کچلوانے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ ایسے مہربانوں کو وزیر بنانے والے خلیفہ کو ٹاٹ میں لپیٹ کر شہر کی گلیوں میں گھسیٹا گیا، اور لاتوں سے کچلوا دیا گیا، مگر تھنک ٹینک والے مہربانوں کا کیا ہوا؟ ہلاکو نے ابن علقمی سے بیک ڈور سفارتکاری میں وعدہ کیا تھا کہ کسی آلِ رسول فرد کو خلیفہ اور ابن علقمی کو اس کا نائب السلطنت بنا دیا جائے گا، اسلامی سلطنت کی بربادی کی قیمت مانگنے پر جواب ملا: ''تم نے اپنوں سے وفا نہیں کی، ہمارے ساتھ کیا وفا کرو گے؟'' بہت خوشامدیں کیں، گڑگڑاتا رہا، مگر اس کے ساتھ وہ سلوک بھی نہ کیا گیا جو کتے کی وفاداری پر اس کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ ذلیل ورُسوا ہو کر مر گیا۔

ایرانی سبائی بدرُوح ہمیں ٹیپو سلطان اور نواب سراج الدولہ کے معتمد وزیروں میر صادق اور میر جعفر میں بھی نظر آتی ہے، ان کا انجام بھی وہی نظر آتا ہے، جناح کے پاکستان کے ساتھ ڈھاکہ میں کیا ہوا؟ شمالی اِتحاد نے امارتِ اسلامیہ کے ساتھ کیا کیا؟ اب باقی ماندہ پاکستان کے خلاف یہود ونصاریٰ اور ہنود ومجوس کے تھنک ٹینکس کیا کرنا چاہتے ہیں؟ مجھ سمیت ہر آدمی غور کرے، آیا ہم ان منافقین کا ہتھیار تو نہیں بن گئے یا دُوسری صورت ان منافقین کے تھنک ٹینکس بیک ڈور پالیسیوں سے ہمیں شکار کرنے کے آخری محاذ پر تو نہیں پہنچ چکے؟ خدارا فکر کیجئے! امیر المؤمنین حضرت عمرؓ کی ایمانی فراست والے الفاظ پر پھر غور کیجئے، ہاں! پھر غور کیجئے، تاکہ مذکورہ بالا بدرُوح سے بچ سکیں۔

اِصلاح کا پہلا قدم

محمد راشد، ڈیرہ اسماعیل خان

اصلاح کا پہلا قدم اپنی اور اپنے متعلقین کی اِصلاح ہے، معاشرے کے بگاڑ کی اصل وجہ اسی پہلے قدم سے غفلت کا نتیجہ ہے۔ زیرِنظر ارشادات حضرت مولانا ابرار الحق ہردوئی رحمۃ اللہ علیہ کے اِفادات سے منتخب کردہ ہیں، جن میں اسی پہلو کی اہمیت بیان کی گئی ہے.....مرتب۔

ا:...فرمایا: گھریلو ماحول کے بگاڑ اور گھر والوں کی بے دینی کا معاملہ ایک وبائی صورت اختیار کرتا جارہا ہے، جن کا رُجحان دین کی طرف ہوتا ہے ان کو اِحساس زیادہ ہوتا ہے، اور یہ بات اپنی جگہ دُرست ہے کہ گھر کے ماحول کے بناؤ اور بگاڑ کے نتائج بڑے دُوررَس اور گہرے ہوتے ہیں۔ بڑی حد تک بچوں کے اخلاق واعمال اور ان کی سیرت وعادات میں بھی مؤثر ہوتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک اِنسان پر اپنی اولاد اور متعلقین کی جسمانی ضروریات اور ان کی بیماری کے علاج کا اِنتظام کرنا ضروری ہے۔'' (اِصلاحِ باطن ص:۲۸)

۲:...فرمایا کہ: انسان اپنا اور اپنے متعلقین کا خیال رکھتا ہے، جسمانی اِعتبار سے خود بیمار ہوجائے تو اپنا علاج کراتا ہے، یا بیوی بچے اور متعلقین میں سے کوئی بیمار ہوجائے تو ان کا بھی علاج کراتا ہے۔ اسی طرح دینی لحاظ سے بھی فکر کرنا چاہیے کہ جو کمیاں اور کوتاہیاں ہیں، ان کی اِصلاح کی فکر کرے، یہ ہر ایک کی ذمہ داری ہے۔ اس لئے خود بھی علمِ دین کا سیکھنا اور اس پر عمل کرنا، اولاد کو دِین سکھانا اور ان کی تربیت کرنا ضروری ہے، اس میں کوتاہی نہیں کرنا چاہئے۔ عام طور پر اس سلسلے میں کوتاہی وغفلت ہو رہی ہے۔ (مجالس محی السنۃ ص:۱۰۹)

۳:...فرمایا: اپنے متعلقین اور ماتحتوں کی اِصلاح وتربیت کرنا فرض ہے، چنانچہ بعض لوگوں کو اس کی فکر ہے اور اسی جذبے کے تحت بعض اپنے بچوں کو دِینی اِدارے میں تعلیم دِلاتے ہیں، مگر خود اپنی

اور اپنے بیوی بچوں کی اِصلاح سے غافل ہیں۔ ایسے حضرات کے بچوں کی اِصلاح بہت دُشوار ہوتی ہے، کیونکہ بچے ہمہ وقت اپنے دِینی مدرسے و اِدارے کے خلاف اپنے گھر والوں کو دیکھتے ہیں، اس سے ان کی قوتِ عمل کمزور ہوجاتی ہے، جس سے دینی اُمور پر ان کو عمل کرنا دُشوار ہوجاتا ہے۔ دینی مدرسے کی ہدایات اور پابندیاں بھی کارگر نہیں ہوتیں۔ اس سے زیادہ خطرناک حالت وہ ہے کہ ان بچوں کو ہدایاتِ مدرسہ کے خلاف گھر پر عمل کرایا جائے۔ مثلاً سینما یا تھیٹر یا ٹیلی ویژن وغیرہ دِکھایا جائے یا برادری کی خلافِ شرع تقریبوں میں شریک کیا جائے یا پتنگ بازی، آتش بازی کے لئے پیسے دیئے جائیں، یا گھر میں ان کی موجودگی میں باجا بجایا جائے، باجا اور تماشا ویسے بھی جرم اور حرام ہے، مگر بچوں کو سنوانا ان کو دِینی اِعتبار سے افیون اور سنکھیا کھلانا ہے۔ اس لئے ایسے حضرات کو اپنی اور اپنے گھر والوں کی اِصلاح کی طرف زیادہ توجہ کی ضرورت ہے۔ (اصلاحِ باطن ص:۲۹)

۴:... فرمایا: عورتوں کی اِصلاح آسان ہے، کیونکہ ان کا دِل نرم ہوتا ہے، جلد اَثر قبول کرلیتا ہے، اور قائم بھی رہتا ہے، اور ان کے دُرست ہونے سے گھر کا گھر دُرست ہوجاتا ہے۔ اس لئے عورتوں میں دینی مذاکرات کا سلسلہ بھی ہونا چاہئے۔ ایک صالحہ بی بی کا قصہ ہے کہ جب ان کا نکاح ہوا اور رُخصت ہوکر سسرال گئیں تو سب عورتوں کو ''السلام علیکم'' کہا، اور پھر مصافحہ کیا، سب کو حیرت ہوگئی، کیونکہ ان سنتوں پر عمل ایسے وقت پر شاذونادر ہی ہوتا ہوگا، اس کے بعد جب چائے آئی، پھر کھانا آیا تو نہ چائے پی نہ کھانا کھایا، سبب پوچھا گیا تو کہا میں اپنے شوہر سے کچھ بات کروں گی، پھر کھانا کھاؤں گی۔ جب ملاقات ہوئی تو کہا: مجھے باوثوق ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ آپ رشوت لیتے ہیں، جب آپ توبہ کرلیں گے تو ہم کھانا کھائیں گے، ورنہ ہم کھانا نہ کھائیں گے، اپنی سوکھی روٹی ہم اپنے ساتھ لائے ہیں، وہی کھالیں گے۔ شوہر پر اس صالحہ بی بی کے تقویٰ کا بہت اثر ہوا، اور فوراً اسی وقت ہمیشہ کے لئے رشوت سے توبہ کرلی۔ (مجالس ابرار ج:۲ ص:۱۳۱)

۵:... فرمایا: لڑکوں کی کہنی اگر کھلی رہے تو نماز ہوجاتی ہے، مگر مکروہ ہوتی ہے۔ اور لڑکیوں کی کہنی اگر کھلی رہے تو نماز ہی نہیں ہوتی، لیکن معاملہ کیا ہے کہ والدین لڑکوں کی آستین پوری بناتے ہیں اور لڑکیوں کی کہنی کھلی رکھتے ہیں، کیا حال ہے! افسوس کا مقام ہے! اسی طرح لڑکا ننگے سر نماز پڑھے، نماز ہوجائے گی مگر مکروہ ہوگی، اور لڑکی ننگے سر نماز پڑھے تو نماز ہی نہ ہوگی، مگر والدین کا کیا حال ہے کہ لڑکے کے سر پر موٹی ٹوپی اور لڑکی کے سر پر باریک دوپٹہ ہے، جس سے بالوں کی سیاہی صاف نظر آتی ہے۔ اور اَب تو یہ دوپٹہ بھی غائب ہورہا ہے، اب تو ایسا باریک لباس لڑکیوں کا ہورہا ہے کہ نام لباس کا ہے، مگر درحقیقت ننگی ہیں، افسوس کا مقام ہے...! (مجالس ابرار ج:۱ ص:۵۴)

۶:... فرمایا: ایک بات خصوصیت سے سب لوگوں کے لئے بڑی اہم اور قابلِ توجہ ہے، وہ یہ کہ کبھی کبھی اپنے گھر پر دِینی مذاکرہ کرایا کریں، وعظ ونصیحت کا سلسلہ تھوڑی دیر ہو، پندرہ منٹ بھی کافی ہے، ایک انجکشن لگا ہے سفر کے لئے، اس کا اثر چھ مہینے تک رہے گا، اور ایک انجکشن جو افریقہ کے سفر کے

لئے تھا، کوئی کہتا ہے کہ اس کا اثر تین برس، کوئی کہتا ہے کہ اس کا اثر دس برس تک رہے گا، اس کا اثر اتنی مدت تک رہے گا، ایسے ہی ایک دین کی بات بتائی جائے تو اس کا اثر کیا ہوگا؟ خود اندازہ کرلو، دین کی باتوں کا اثر تو ہوتا ہے ہلکے ہلکے۔ (مجالس محی السنة)

۷:...فرمایا: ہر گھر کا بڑا ہر روز پانچ منٹ یا دس منٹ دین کی کوئی کتاب سنانا شروع کردے، اور ایک دو منٹ گھر کی عورتوں اور بچوں کو ایک یا دو سنت بھی کھانے، پینے کی، وضو نماز کی یا سونے، جاگنے وغیرہ کی سکھانا شروع کردیں، اس طرح ایک سال میں کتنی سنتوں کا علم ہوسکتا ہے! پھر اس پر عمل بھی کرائیں اور عمل کی نگرانی کرتے رہیں، بچوں کو سمجھائیں کہ ہم پیغمبر ﷺ کے طریقوں کو اختیار کریں گے تو حق تعالیٰ ہم سے محبت فرمائیں گے، ہم سے خوش ہوں گے، ''حیاۃ المسلمین'' اور ''خیر الاعمال'' بھی گھروں میں سنائیں، اِن شاء اللہ! اس طرح ہمارے گھروں میں سنتوں کا نور پھیل جائے گا اور سب اَفرادگھر کے دِین دار اور صالح ہوجائیں گے۔ (اُمت کی پریشانی و انحطاط ص:۳۵)

اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے، آمین!

زبان کی حفاظت

محمد شفیق الرحمن، متعلم جامعہ

اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ بے شمار نعمتوں میں سے ایک بیش بہا اور عظیم نعمت زبان بھی ہے، یہی وہ عضوِ رئیسی ہے جس کی بنا پر انسان کو **"علمه البیان"** کا سنہری اعزاز اور باقی تمام مخلوقات پر ایک قسم کی فوقیت و برتری حاصل ہے، وہ زبان ہی ہے جس کے ذریعے محبت و نفرت، فکر و پریشانی، لطف و راحت، دِلداری و تسکین، ترغیب و ترہیب کا مکمل طور پر اِظہار ممکن ہے۔

جسم انسانی کے اس مختصر سے عضو کے مادّی فوائد پر غور کریں تو دُنیا کا سارا لطف اسی پر منحصر نظر آتا ہے، چنانچہ ذائقہ خورد و نوش کا مدار و محور یہی زبان ہے اور اس کے بغیر سارے ذائقے پھیکے اور بے معنی معلوم ہوتے ہیں، اسی کے ایک بول سے دوست دُشمن اور دُشمن دوست بنتا ہے، اسی سے بڑے بڑے فتنے برپا اور اسی سے مسدود ہوتے ہیں۔ اور دینی اِعتبار سے اس کی اہمیت و حیثیت کو دیکھا جائے تو پتا چلتا ہے کہ توحید و رسالت پر ایمان بھی زبانی اِقرار کے بغیر معتبر نہیں (یعنی دُنیوی اِعتبار سے) اور اسی کا ایک مختصر سا کلمہ متکلم کو جنت یا جہنم کا مستحق بنادیتا ہے۔

جسم انسانی کے اعضائے رئیسہ میں سے دِل و دِماغ جو پورے جسم پر کنٹرول رکھتے ہیں اور جن پر اِنسان کے اچھے یا بُرے ہونے کا مدار ہے، ان کی اچھائی یا بُرائی بھی اسی زبان سے معلوم ہوتی ہے، یہ اچھے تو زبان بھی اچھی، یہ خراب تو زبان بھی خراب، چنانچہ مؤمن و کافر، مخلص و کینہ پرور اور دوست و دُشمن کی زبان میں فرق اسی وجہ سے ہے، نیز انسان کے منہ سے نکلی ہوئی بات اس کے معیارِ عقلی و اخلاقی اور شرافت و دنائت کا پتا بھی دیتی ہے، گویا زبان ایک کسوٹی ہے، جس سے انسان پرکھا اور سمجھا جاتا ہے۔

غرضیکہ زبان چونکہ ایک عظیم نعمتِ خداوندی ہے، اور قاعدہ ہے کہ تمام نعمتوں کو اسی طرح اِستعمال کرنا ضروری ہے جس طرح اِستعمال کرنے کا طریقہ اللہ تعالیٰ نے بتلایا ہے، ورنہ نعمت کا غلط اِستعمال، نعمت کی ناقدری اور ناشکری کے زُمرے میں آتا ہے جو عذابِ شدید کا موجب ہے۔

اسی طرح زبان کے علاوہ جسم کے باقی تمام اعضاء سے بھی وہ کام لیں جس میں اللہ تعالیٰ کی ناراضی نہ ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"ان السمع والبصر والفؤاد کل أولٰئک کان عنه مسئولًا" (بنی اسرائیل:۳۶)

ترجمہ:... ''بے شک کان، آنکھ اور دِل ان سب کے بارے میں پوچھا جائے گا۔''

اللہ تعالیٰ کے ہاں ہمارا ایک ایک بول محفوظ ہے، اور روزِ قیامت ان سب کا حساب دینا پڑے گا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"ما یلفظ من قول إلّا لدیه رقیب عتید" (ق:۱۸)

ترجمہ:... ''اور وہ (اِنسان) کوئی بات (زبان سے) نہیں نکالتا مگر اس کے پاس (لکھنے کو) ایک نگہبان تیار بیٹا ہے۔''

ہم بہت سی باتیں بے سوچے سمجھے کہہ جاتے ہیں، اور ہمیں خیال تک نہیں ہوتا کہ یہ کلمہ ہمیں کہاں لے جارہا ہے؟ ایک مختصر سا کلمہ جنت پہنچادیتا ہے، اور بعض دفعہ وہی مختصر کلمہ جہنم کی راہ دِکھادیتا ہے۔

زبان کی حفاظت اور اس کا صحیح اِستعمال یہ ہے کہ جو لفظ بھی زبان سے نکالیں، اس کے انجام پر نظر رکھتے ہوئے خوب سوچ سمجھ کر نکالیں، بات کہیں تو سچی اور اچھی کہیں، ورنہ دینی اور دُنیوی لحاظ سے خاموش رہنا ہی بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا اِرشاد ہے:

"لا خیر فی کثیر من نجواهم إلّا من أمر بصدقة أو معروف أو اصلاح بین الناس" (النساء:۱۱۴)

ترجمہ:... ''ان کے اکثر مشوروں میں کوئی بھلائی نہیں ہے، مگر یہ کہ جو حکم دے خیرات کا یا اچھی بات کا، یا لوگوں کے درمیان اِصلاح کرانے کا۔''

اسی طرح حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

"من کان یؤمن باللّٰه والیوم الآخر فلیقل خیرًا أو لیصمت"

(بخاری کتاب الادب ص:۹۰۶)

ترجمہ:... ''جو اللہ اور روزِ آخرت پر اِیمان رکھتا ہو اسے چاہئے کہ بات کہے تو اچھی کہے، ورنہ خاموش رہے۔''

بسیار گوئی بڑے بڑے فتنوں اور فساد کا ذریعہ بنتی ہے، اور ان کا خمیازہ بعض اوقات دُنیا میں ہی بھگتنا پڑتا ہے۔ اکابر فرماتے ہیں کہ بات کہنے کی چار قسمیں ہیں:

۱:... جس میں سراسر نقصان ہو۔

۲:... جس میں نفع ونقصان دونوں ہوں۔

۴:... جس میں سراسر نفع ہو۔

گویا گفتگو اور باتوں میں تین چوتھائی نہ کرنے کے قابل ہیں، یہ وہی مفہوم ہے جو "إلّا من أمر بصدقة أو معروف أو إصلاح بين الناس" (النساء:۱۱۴) کی آیت سے سمجھ میں آتا ہے کہ صرف وہی بات کرنی چاہئے جس میں کوئی فائدہ بھی ہو۔ ایسی بات جس میں نہ دُنیوی منفعت ہو، نہ اُخروی تو وہ اس لئے پسندیدہ نہیں کہ وہ مسلمان کو اِسلام کے حسن سے محروم کردیتی ہے، چنانچہ اسی کے بارے میں حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

"من حسن اسلام المرء ترکه ما لا یعنیه" (ترمذی ج:۲ ص:۸۵)

ترجمہ:... "انسان کے اسلام کے حسن میں سے یہ ہے کہ وہ بے فائدہ کاموں کو چھوڑ دے۔"

زبان کو شرور وآفات سے بچانے کے لئے خاموشی سے بہتر کوئی چیز نہیں، اور یہ عقل مندی کی نشانی بھی ہے، کیونکہ عقل مند سوچتا زیادہ اور بولتا کم ہے۔ جو جتنا بولتا ہے، غلطیاں بھی اتنی ہی زیادہ کرتا ہے، اور جو سوچتا زیادہ، بولتا کم ہے، وہ غلطیاں بھی کم کرتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: **"من صمت نجا"** (مشکوٰۃ باب حفظ اللسان، ص:۴۳۵)۔ یعنی جس نے خاموشی اِختیار کی اس نے نجات پائی۔"

چنانچہ مشہور مقولہ بھی ہے کہ "ایک چپ، سو سکھ"۔ ان تمام باتوں سے خاموشی کی فضیلت وبہتری ثابت ہوتی ہے، مگر یہ بہتری فضول ونقصان دہ باتوں کے مقابلے میں ہے، ورنہ تو اچھی بات کہنا خاموشی سے بھی بہتر ہے۔ حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا کہ: **"الكلمة الطيبة صدقة"** (بخاری ص:۸۹۰)، ... "اچھی بات کہنا صدقہ ہے۔" بات اچھی اور دُرست ہونے کے ساتھ ساتھ اندازِ گفتگو کا نرم، خوشگوار ہونا بھی ضروری ہے، بعض اوقات بات تو اچھی ہوتی ہے مگر لہجے کی سختی سے بُری معلوم ہوتی ہے:

جتنے بھی لفظ ہیں وہ مہکتے گلاب ہیں
لہجے کے فرق سے انہیں تو خار مت بنا

کوئی بھی کلمہ اچھا ہو یا بُرا، نرم ہو یا سخت، اپنا خوشگوار، یا بُرا اثر ضرور چھوڑتا ہے، بلکہ زبان کے بُرے اثر اور کاٹ کو تلوار ونیزے کی کاٹ سے بھی زیادہ اشد (سخت) قرار دیا گیا ہے، چنانچہ ایک عربی شعر ہے:

جراحات السنان لها التيام
ولا يلتام ما جرح اللسان

ترجمہ:... "نیزے کے زخم تو بھر جاتے ہیں، مگر زبان کے لگے زخم نہیں بھرتے۔"

کہتے ہیں کہ جب نیک کام میں مشغولیت ہو تو گناہ خود بخود ختم ہوجاتے ہیں، تو زبان کے بھی ایسے نیک اعمال ومشاغل ہیں جن میں مشغول ہونے سے زبان آفات سے محفوظ ہوجاتی ہے، ان میں سے چند

نیک اعمال ومشاغل ہیں جن میں مشغول ہونے سے زبان آفات سے محفوظ ہوجاتی ہے، ان میں سے چند بڑے اعمال یہ ہیں: ا:...اللہ تعالیٰ کا ذِکر، ۲:...تلاوتِ قرآن، ۳:...اللہ تعالیٰ کا شکر، ۴:...امر بالمعروف ونہی عن المنکر۔ ذِکر تو ایسا عمل ہے جو چلتے پھرتے، اُٹھتے بیٹھتے، لیٹے، باوضو وبے وضو، سفر وحضر، فراغت ومشغولیت ہر حال میں کیا جاسکتا ہے۔ زبان کی حفاظت کا یہ سب سے زیادہ اکسیر نسخہ ہے۔

اس موضوع پر چند آیات واَحادیث ترجمے کے ساتھ پیشِ خدمت ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ا:۔ **"یٰـأیها الذین اٰمنوا لا یسخر قوم من قوم عسٰی أن یکونوا خیرًا منهم، ولا نساء من نساء عسٰی أن یکن خیرًا منهنّ، ولا تلمزوا أنفسکم ولا تنابزوا بالألقاب، بئس لاسم الفسوق بعد الایمان، ومن لم یتب فأولٰئک هم الظّٰلمون"** (الحجرات:۱۱)

ترجمہ:...''اے مؤمنو! ایک گروہ دُوسرے گروہ کا مذاق نہ اُڑائے، کیا عجب کہ وہ ان سے بہتر ہوں، اور نہ عورتیں عورتوں کا (مذاق اُڑائیں) کیا عجب کہ وہ ان سے بہتر ہوں، اور ایک دُوسرے پر عیب نہ لگاوٴ اور باہم بُرے القاب سے نہ چڑاوٴ، ایمان کے بعد گناہ، بُرا نام (لینا) ہے اور جو باز نہ آیا تو یہی لوگ ظالم ہیں۔''

۲:... **"ویل لکل همزة لمزة"** (الهمزة:۱)

ترجمہ:۔''خرابی (ہلاکت) ہے ہر طعنہ دینے والے اور عیب جوئی کرنے والے کے لئے۔''

۳:... **"ولا یغتب بعضکم بعضًا، أیحب أحدکم أن یأکل لحم أخیه میتًا فکرهتموه"** (الحجرات:۱۲)

ترجمہ:...''اور تم میں سے کوئی ایک دُوسرے کی غیبت نہ کرے، کیا پسند کرتا ہے تم میں سے کوئی کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے؟ تو تم اس سے گھن کروگے۔''

ا:۔ **"عن انس بن مالک قال: لم یکن النبی ﷺ سبابًا ولا فاحشًا ولا لعانًا"** (بخاری ج:۲ ص:۸۹۱)

ترجمہ:...''حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ گالی دینے والے اور فحش گفتگو کرنے والے اور لعنت کرنے والے نہیں تھے۔''

اللہ تعالیٰ ہمیں ان گناہوں سے بچائے اور زبان کی حفاظت کی توفیق عطا فرمائے۔

چوں مرگ آید تبسم برلب اوست

مولانا شمس اللہ العباسیؒ کا سانحۂ اِرتحال

محمد اعجاز مصطفیٰ

۱۰رذوالحجہ ۱۴۳۱ھ مطابق ۱۷رنومبر ۲۰۱۰ء بروز بدھ وفاق المدارس کے فاضل، مسجد عمر بن خطاب گلشن اقبال وسنہری مسجد برنس روڈ کے سابق اِمام، گارڈن ویسٹ میں مکہ مسجد کے حالیہ اِمام وخطیب، مدرسہ عربیہ روضۃ القرآن کے مدیر اور جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے اُستاذ مولانا ارشاداللہ العباسی مدظلہٗ کے بڑے بھائی مولانا شمس اللہ العباسی دُنیا کی پچاس بہاریں دیکھ کر مختصر علالت کے بعد خالقِ حقیقی سے جاملے، انا للہ وانا الیہ راجعون، ان للہ ما أخذ ولہ ما أعطی وکل شیء عندہ بأجل مسمّٰی۔

مولانا موصوف نے حفظ کی تکمیل اور درجہ خامسہ تک اِبتدائی تعلیم پاکستان کی عظیم یونیورسٹی جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں حاصل کی اور دورۂ حدیث جامعہ دارالخیر گلستان جوہر سے کیا۔

مولانا موصوف کی طبیعت میں اِنتہائی سادگی اور عاجزی تھی، اپنے دوستوں اور ساتھیوں میں گھل مل کر رہنے کے عادی تھے۔ حضرت مولانا ارشاداللہ صاحب کا بیان ہے کہ ان کے اکثر مقتدی حضرات، تبلیغی سفر اور حج وعمرہ کے ساتھی اس بات کا کثرت سے ذِکر کرتے ہیں کہ وہ ہمارے صرف اِمام وخطیب اور اُستاذ ہی نہیں، بلکہ بڑے ہمدرد اِنسان اور مخلص دوست بھی تھے، اس لئے کہ ہر دُکھ درد اور خوشی غمی میں وہ ہمارے ساتھ برابر کے شریک رہتے تھے۔

آپؒ رمضان المبارک کا مہینہ زیادہ تر مسجد میں گزارتے تھے، خاص کر آخری عشرے میں معتکفین حضرات پر دین کی محنت اور ان کو دین کی طرف راغب کرنے کی کوششیں قابلِ دید ہوتی تھیں۔

آپؒ غرباء اور مساکین سے بڑی محبت فرماتے تھے اور ان کی خدمت کو اپنے لئے سعادت سمجھتے تھے، سخاوت ان پر غالب تھی، کئی مدارس ومساجد کے سفراء کے ساتھ بھی معاونت فرماتے تھے، اسی طرح موصوف کو اپنے اکابر، اساتذہ اور مشائخ سے ایسی محبت تھی کہ غائبانہ اپنی مجالس میں درسِ قرآن ودرسِ حدیث کے مواقع پر ان کا محبت بھرے انداز میں خصوصیت کے ساتھ تذکرہ کرتے تھے، اور حاضرینِ مجلس

کے علاوہ اپنی دُعاؤں میں اپنے بزرگوں، اساتذہ خصوصاً حضرت مولانا مفتی احمد الرحمنؒ اور حضرت مولانا مفتی نظام الدین شامزئی شہیدؒ کا تذکرہ فرماتے تھے۔ جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن اور جامعہ کے تمام اساتذہ سے آپؒ کو بڑی محبت تھی، تمام دینی مراکز، مساجد و مدارس، علمائے کرام وطلباء عظام اور ان اِداروں کی خدمت کرنے والے منتظمین کے لئے خصوصی دُعائیں کیا کرتے تھے۔

عید الاضحیٰ کے دن عید کی نماز اپنی مسجد میں ادا کی اور پھر ظہر کی نماز گھر پر ادا کرنے کے بعد خالق حقیقی سے جاملے۔ موت کے بعد بھی چہرے پر ایسی بشاشت تھی کہ یقین نہیں آرہا تھا کہ ان کا اِنتقال ہو چکا ہے، بقول شاعر:

چوں مرگ آید تبسم برلب اوست

مرحوم نے پسماندگان میں ایک بیوہ، چار بیٹیاں، تین بیٹے اور سینکڑوں شاگرد چھوڑے ہیں۔

اللہ تعالیٰ مرحوم کی زندگی بھر کی حسنات ودینی خدمات کو قبول فرماکر انہیں جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے، اور پسماندگان کو صبرِ جمیل اور اَجرِ عظیم عطا فرمائے۔

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اِنَّ اللهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا

ترجمہ:۔ بیشک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں ان پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) پر، اے ایمان والو! تم بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم) پر رحمت بھیجا کرو اور خوب سلام بھیجا کرو۔ (الاحزاب،۵۶)

بیشمار دنیاوی مسائل کے حل، بروزِ قیامت شفاعت، جنت میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دائمی رفاقت وقرب حاصل کرنے کے لیے بکثرت درود شریف پڑھیے۔ دس نیکیاں حاصل کرنے، دس گناہ بخشوانے اور دس درجے بلند کروانے کے لیے ابھی ایک مرتبہ یہ درودِ ابراہیمی پڑھ لیجئے...... جَزَاکُمُ اللّٰہُ خَیْراً

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ جانے والے حضرات سے حرم کعبہ اور روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضری کے وقت خصوصی دعا اور سلام کی درخواست ہے۔ نیک بنو، اور نیکی پھیلاؤ، ☆ منجانب: اللہ کا بندہ ☆

برہنہ تلاشی لینے والے ممالک کے سفر کا حکم!

مولوی غلام مصطفیٰ

محترم حضرات علمائے کرام ومفتیانِ عظام! بندہ ایک انتہائی اہم اور باعثِ اُلجھن وتشویش عالمی مسئلے کی جانب آپ کو متوجہ کر کے اس کا حکم شرعی معلوم کرنا چاہتا ہے:

وہ یہ کہ کچھ عرصہ پہلے امریکن حکومت نے صرف چودہ ممالک (جن میں سوائے ایک دو کے تمام مسلم ممالک شامل تھے) سے آنے والے مسافروں کی برہنہ اسکیننگ کا سلسلہ شروع کیا تھا، اس برہنہ تلاشی میں ان ممالک سے آنے والے کسی بچے، بوڑھے، مرد وعورت کو اِستثناء حاصل نہیں، اس پر مختلف اسلامی ممالک اور تنظیموں نے شور مچایا، جس کے نتیجے میں امریکن حکومت نے اپنے فیصلے میں ممکنہ تبدیلیاں بھی کیں۔

مگر یہ بات بظاہر دبی ہے، ختم نہیں ہوئی، کیونکہ سننے میں آیا ہے کہ اب متحدہ عرب امارات جیسے مسلم اور عرب ممالک نے بھی ان مشینوں کی تنصیب کا فیصلہ کرلیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ ان کا ذاتی فیصلہ نہیں ہوسکتا، اس کے پیچھے یقیناً یہودی لابی سرگرم ہے، جو صرف اور صرف مسلمانوں کی تذلیل وتوہین میں مصروفِ عمل ہے۔ سیکورٹی اِنتظامات محض ایک بہانہ ہے، کیونکہ متعدد ایسے ماہرین جو اِنسانیت کی تذلیل کو روا نہیں سمجھتے اور خوفِ خدا بھی رکھتے ہیں، انہوں نے یہ تجویز دی ہے کہ ایسے سوفٹ ویئر موجود ہیں اور ان میں جدت بھی اپنائی جاسکتی ہے جو کہ صرف قابلِ اعتراض مواد کی نشاندہی کریں اور اسکینر سے گزرنے والے کا وجود نظر نہ آئے، مگر ان کی بات کو اہمیت نہیں دی گئی۔

ان اُمورِ متذکرہ بالا کی بنا پر بندہ یہ پوچھنا چاہتا ہے کہ جن ممالک میں اس طرح کے اسکینرز نصب ہوں، ان ممالک میں روزگار کی تلاش یا تبلیغی واِصلاحی اُمور یا اس کے علاوہ اَغراض ومقاصد کے بنا پر سفر کرنا شرعاً کیا حکم رکھتا ہے؟ اور یہ بھی بتائیں کہ ان کا یہ عمل (جو بقول ان کے سیکورٹی خدمات کے پیشِ نظر کیا جارہا ہے) شرعاً کیا حکم رکھتا ہے؟ اور اس سلسلے میں عوام اور حکومتِ وقت کا کیا فریضہ بنتا ہے؟

بینوا توجروا۔

مستفتی: مولوی محمد اویس، نارتھ ناظم آباد کراچی

الجواب حامداً ومصلیاً

۱:... جاننا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو معزز ومکرم بنایا اور تمام مخلوقات میں سب سے اعلیٰ رُتبہ ومقام عطا کیا، چنانچہ قرآنِ کریم میں ارشاد ہے:

"ولقد کرمنا بنی آدم .... وفضلناھم علٰی کثیر ممن خلقنا تفضیلًا" (بنی اسرائیل)

دُنیا کا کوئی مذہب (خصوصاً مذاہبِ سماویہ) کسی بھی انسان کی تذلیل وتنقیص یا توہین کی اجازت نہیں دیتا، تمام ادیان وملل میں اِحترامِ انسانیت کا پہلو نمایاں ہے، لہٰذا کوئی بھی ایسا عمل، اِقدام یا قانون جس سے انسانیت کی تحقیر وتذلیل ہو، شرعی نقطۂ نظر سے جائز نہیں، اور عرفی واخلاقی طور پر بھی اس کی کوئی گنجائش نہیں۔ شریعت میں شرم وحیا اور پردگی کو معاشرے اور انسانیت میں خاص مقام حاصل ہے، لہٰذا شریعت نے ایسے تمام افعال جو شرم وحیا کے خلاف ہوں اور جن کی وجہ سے دُوسرے کے اعضائے مستورہ دیکھے یا دِکھائے جائیں، ان کو ناجائز وحرام قرار دیا ہے۔

مذکورہ تمہید کے پیشِ نظر صورتِ مسئولہ میں امریکی حکومت کا برہنہ اسکیننگ کرنا شرعی واخلاقی طور پر ناجائز ہے، اور ایسے اقدامات کا مقصد سوائے مسلمانوں کی اہانت اور تنقیص کے کچھ نہیں۔ بلاشبہ ان کے یہ اقدامات ان کی بیمار ذہنیت، متعصب سوچ وفکر، ذہنی پسماندگی اور مسلمانوں سے بغض وعداوت کا مظہر ہے۔ کس قدر عجیب بات یہ ہے کہ دُنیا بھر اِعتدال پسندی وروشن خیالی اور رواداری کے فلسفے کے دعوے دار اہلِ مغرب مسلمانوں کے بارے میں اپنے ہی وضع کردہ اُصولوں اور قوانین کو مختلف اقدامات اور حرکتوں کے ذریعے پامال کرنے پر کمربستہ ہیں، بلکہ شرافت ودیانت، شرم وحیا، اخلاق ومروّت کی تمام حدود کو پھلانگ رہے ہیں، جدید دور میں سیکورٹی اِنتظامات کے لئے مذکورہ طریقے کے علاوہ بھی سینکڑوں ذرائع واسباب موجود ہیں، لہٰذا اس کو سیکورٹی انتظام کا نام دینا محض ایک بہانہ اور بے بنیاد دلیل ہے۔

شرعی طور پر یہ اقدام جائز نہیں ہے، کیونکہ شریعت میں اس بات کی ہرگز اِجازت نہیں کہ کوئی اجنبی کسی دُوسرے مرد وعورت کے اعضائے مستورہ بلاضرورت دیکھے یا دِکھائے، کوئی بھی انصاف پسند اِنسان اس اقدام کو دُرست قرار نہیں دے سکتا، ان اقدامات اور مسلمانوں کے خلاف دیگر حرکتوں سے یہ پتا چلتا ہے کہ انسانیت کی توہین، تذلیل وتنقیص، بے حیائی وفحاشی کا فروغ امریکا ویورپ کے نام نہاد تہذیب یافتہ اسلام دُشمنوں کا خاص شیوہ ہے۔

۲:... اسلامی ممالک کا اہلِ مغرب کی متابعت میں ان مشینوں کی تنصیب کا فیصلہ افسوس ناک اور قابلِ مذمت اور ناجائز ہے۔ یہ درحقیقت ان کی غلامانہ ذہنیت کی عکاسی کرتا ہے، خصوصاً ان کی رَوِش

پر چلتے ہوئے ایسے اقدامات کرنا جو شرعاً وعرفاً ہر اِعتبار سے ناجائز ہوں، مزید شناعت کا باعث اور ناجائز ہے۔ قرآنِ کریم کی بیشتر آیات میں اللہ تعالیٰ نے کفار کی مشابہت، متابعت، ان کی طرف میلان اور دوستی سے منع فرمایا ہے۔ اِمام ابوبکر جصاصؒ لکھتے ہیں:

''نهى فى هذه الآيات عن موالات الكفار واكرامهم وأمر باهانتهم واذلالهم ونهى عن الاستعانة بهم فى امور المسلمين مما فيه من العز وعلو اليد.'' (ج:۳ ص:۱۲۳)

ترجمہ:...''ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے کفار کی دوستی اور ان کے اعزاز سے منع فرمایا ہے، اور ان کی اہانت واِذلال کا حکم دیا ہے، اور ان سے مسلمانوں کے اِجتماعی کاموں میں اِمداد لینے سے منع فرمایا ہے، کیونکہ اس میں ان کی عزت اور برتری ہے۔''

۳:...اگر اِسلامی ملک میں روزگار مہیا ہو اور کوئی شرعی عذر و مجبوری نہ ہو تو محض مال کے حصول و زیادتی کے لئے غیرمسلم ممالک میں جانا دُرست نہیں، اس لئے کہ وہاں مسلمانوں کے لئے ہر طرح کے دینی و دُنیاوی مفاسد موجود ہیں، لہٰذا اسلامی ممالک ہی میں روزگار تلاش کرنا چاہئے۔

تبلیغی اسفار ایک مستحب امر ہے، اور اس کام کو جب وہاں موجود افراد بخوبی ادا کر رہے ہیں تو دیگر ممالک کے افراد کا ایک مستحب کام کے لئے وہاں جانا جس میں اسکیننگ کے ذریعے دوسروں کے سامنے برہنہ ہونا پایا جاتا ہو، شرعاً دُرست نہیں۔

۴:...عوام الناس کو اپنے دائرۂ اِختیار میں رہتے ہوئے مذکورہ غیرمسلم ممالک جو مسلمانوں کی دِل شکنی کرتے ہیں اور اس کے لئے وہ توہین آمیز خاکوں، برہنہ اسکیننگ جیسے غیرشرعی وغیرمہذب اقدامات کرتے ہیں، ان ممالک کا اِقتصادی ومصنوعات بائیکاٹ کرنا چاہئے جو کہ اسلامی حمیت وغیرت کے عین مطابق ہے۔ البتہ مسلم حکمرانوں کا یہ فریضہ بنتا ہے کہ اس طرح کے غیراخلاقی وحیاسوز اِقدامات وقوانین وضع کرنے والے ممالک سے سیاسی سطح پر پُرزور اِحتجاج کریں اور ان پر دباؤ ڈال کر اس طرح کے اِقدامات کو ختم کروائیں۔ بصورتِ دیگر مسلم حکمرانوں کو ان ممالک سے تعلقات کن بنیادوں پر رکھیں، اس پر سوچنا چاہئے۔

الجواب صحیح	الجواب صحیح	الجواب صحیح	کتبہ
محمد عبدالسلام چاٹگامی	محمد عبدالمجید دین پوری	محمد شفیق عارف	غلام مصطفیٰ
			متخصص فقہ اسلامی
			جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی